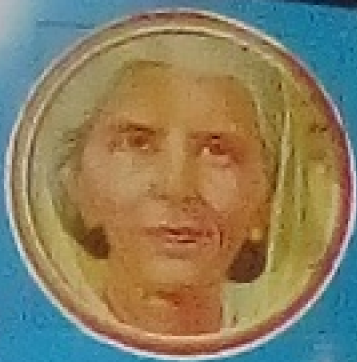
ہفت روزہ

احوال

کراچی

۲۶ جولائی تا یکم اگست ۹۰ء



ٹی وی کو
مادرِ ملت
محترمہ فاطمہ جناح
کیوں یاد نہیں رہیں؟



حکومتوں کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرنے والے علماء اور مشائخ

کو مولانا نورانی بیس سال سے ان کے فرائض یاد دلا رہے ہیں ـــــ'



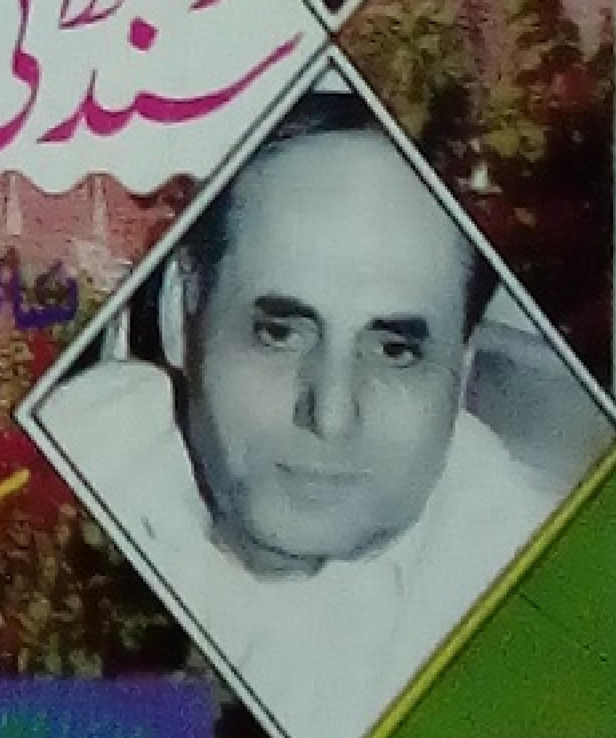


سندھ میں کبھی غیر سندھی وزیر اعلیٰ نہیں رہا
شکایت کس سے کر رہے ہیں؟ (شاہ فرید الحق)

الطاف حسین، جی ایم سید کے شاگرد ہیں
(... احمد)

سندھ کی صورتحال پر وفاقی وزارت اطلاعات کا سیمینار





... سے سندھ کی صحت بیمار پڑ گئی
(... از خان مروت)

کراچی اس لئے بارونق ہے کہ یہاں کوئی وڈیرا نہیں
(محمد احمد صدیقی)

بوس! بم رکھ دیئے گئے۔ قیامت ٹوٹنے والی ہے اور حیدرآباد پر قیامت گزر گئی!



ملک اندھیرے کی گہرائیوں میں جا رہا ہے

لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ کے ایم اظہر کا بے لاگ تجزیہ

احوال

جلد (۲) شمارہ (۱۰)

اشاعت: ۲۶ جولائی تا یکم اگست ۱۹۹۰ء

قیمت: ۸ روپے

ایڈیٹر انچیف: محمد احمد صدیقی — مدیر اعلیٰ: ابو جنید

13

اس شمارے میں

نائب مدیر:
راؤ توفیق احمد

مدیر منتظم:
محمد عثمان خان نوری

مجلس ادارت

ڈاکٹر طلحہ صدیقی
ڈاکٹر جاوید اختر
رئیس الرحمٰن

ٹائیٹل ڈیزائنر: سرور خان

انتظامیہ

جنرل منیجر: اشتیاق احمد نورانی
سرکولیشن: محمد نعیم
اشتہارات: محمد عقیل پاشا
فوٹو گرافر: محمد احمد

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد: اکرام قریشی
لاہور: ایوب نظم
ملتان: محمد ارشد خرم
حیدرآباد: محمد حسین قریشی
کوئٹہ: مولانا حبیب احمد
پشاور: ع۔ ا۔ خٹک

بیرون ملک نمائندے

جدہ: محمد منیر — سعودی عرب: گلزار احمد
امریکہ: محمد جنید صدیقی
متحدہ عرب امارات: محمد رفیق

زرتعاون سالانہ

پاکستان	۳۰۰	روپے
سعودی عرب	۲۰۰	ریال
متحدہ عرب امارات	۲۰۰	درہم
بھارت و بنگلہ دیش	۴۵	امریکی ڈالر
افریقہ و ایشیا	۵۰	امریکی ڈالر
یورپ	۵۵	امریکی ڈالر
امریکہ و آسٹریلیا	۶۰	امریکی ڈالر

زرتعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال کریں جس کی کراچی میں برانچ ہو۔

دفتر رابطہ

۶۱۲ یونی شاپنگ سنٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی
فون: ۵۱۲۷۷۵

پبلشر محمد احمد صدیقی نے النور پبلیکیشنز کے تحت پرنٹر ارشاد احمد خان مشرق پریس ۱۰۔ کورٹ روڈ سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر ریجنسی مال شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

روشنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ ہرگز انہیں مردہ نہ خیال نہ کرنا۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں، شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں۔ اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے۔ کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔ خوشیاں مناتے ہیں۔ اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا۔ اجر مسلمانوں کا۔

آلِ عمران آیت ۱۶۹ - ۱۷۱

(کنزالایمان)

صحیح بخاری شریف میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں جس کو کسی نے اپنے ہاتھوں سے کام کر کے حاصل کیا ہے۔ اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی پرواہ بھی نہ کرے گا کہ اس چیز کو کہاں سے حاصل کیا ہے۔ حلال سے یا حرام سے۔

(بہار شریعت)

بھارت، پاک و ہند مذاکرات میں سنجیدہ نہیں!

۱۸ر اور ۱۹ر جولائی کو پاکستان اور بھارت کے مابین افسروں کی سطح پر مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات میں پاکستان کی جانب سے سیکریٹری خارجہ تنویر احمد خان اور بھارت کی طرف سے اس کے سیکریٹری خارجہ ششی ودبے نے حصہ لیا۔ اس گفت و شنید کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے جنگ کے امکانات کو کم کرنا تھا جو کشمیر کے مسئلہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسئلہ کی پیچیدگی کے سبب ایک مذاکرات میں اس کا حل نہیں نکل سکتا تھا لیکن قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ مذاکرات کے لئے منعقدہ اجلاس کا کوئی ایجنڈا تیار نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ فریقین نے بنیادی مسئلہ پر اتنے مختلف موقف اختیار کر لئے ہیں کہ بات چیت کے لئے ایجنڈے کی تکمیل ممکن نہ ہوسکی۔

مذاکرات کے دوران بھارت کی جانب سے جتنی تجاویز آئیں وہ صرف باہمی اعتماد کی بحالی کے لئے تھیں جبکہ پاکستان بنیادی مسئلہ کشمیر کو زیرِ غور لانے پر زور دیتا رہا جس کو حل کئے بغیر دونوں ممالک میں نہ اعتماد بحال ہوسکتا ہے اور نہ اس کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔

پچھلے ماہ جب بھارتی وزیراعظم وی۔ پی۔ سنگھ جزائر مالدیپ کے دورے پر گئے تھے تو مالی ایئرپورٹ پر اخباری نمائندوں کے جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ کشمیر بھارت میں شامل ہوچکا ہے اور الحاق کے معاہدہ پر اس وقت کے مہاراجہ کشمیر اور وزیراعلیٰ شیخ عبداللہ نے دستخط کئے تھے۔ اس معاہدہ کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ جب ان سے سوال کیا گیا اگر ایسی ہی بات تھی تو بھارت کے سابق وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیر میں استصواب رائے کرانے کے اقوامِ متحدہ کے فیصلے کو کیوں منظور کیا تھا تو وی۔ پی۔ سنگھ نے جواب دیا کہ دراصل پاکستان نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد پر عملدرآمد کرتے ہوئے کشمیر سے اپنی فوجیں واپس نہیں ہٹائی تھیں۔ اس لئے اقوامِ متحدہ کا وہ ریزولوشن کالعدم ہوگیا۔ وی۔ پی۔ سنگھ نے مزید کہا کہ بعدازاں دونوں ممالک کے رہنماؤں نے شملہ معاہدہ کیا جس نے پچھلے تمام دستاویزات کی قانونی حیثیت کو ختم کردیا۔

جب بھارت ایسی لن ترانیاں سنائے گا اور وہاں کی حکومت حقائق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرے گی تو پاک بھارت مذاکرات کس طرح کامیاب ہوسکتے ہیں؟ جب بھارتی وزیراعظم منہ بھر کر یہ کہیں گے کہ کشمیر کے مسئلہ پر بات چیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر مذاکرات میں بھی پیش رفت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہی ہوا پاکستان کے سیکریٹری خارجہ نے اعلان کیا ہے کہ بھارت سے حالیہ مذاکرات بے نتیجہ رہے وہ کشمیر پر بات کرنے کو تیار نہیں!

جناب تنویر احمد کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ بھارت نے ان مذاکرات میں تجاویز کم دی ہیں اور الزامات زیادہ لگائے ہیں۔ جب پاکستان نے ان الزامات کی تحقیقات عالمی اداروں سے کرانے کی تجویز دی تو بھارت کی طرف سے کہا گیا کہ یہ مسئلہ کو الجھانے کی غیر مخلصانہ کوشش ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بھارت خود پاک و بھارت مذاکرات میں مخلص نہیں ہے۔ جب سے کشمیر میں تحریک آزادی کا آغاز ہوا ہے وہ دھونس، دھاندلی اور جھوٹ کے حربوں سے کام لے رہا ہے۔ وہ پاک و بھارت مذاکرات میں قطعی سنجیدہ نہیں۔ ان مذاکرات کو شروع کرنے کا اس کا مقصد تحریک آزادی کو دبانے کے لئے وقت حاصل کرنا ہے نیز امریکہ اور خاص طور سے اسلامی ممالک کو مطمئن کرنا ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان سے مذاکرات کر رہا ہے۔

ایک جانب بھارت نے پاکستان سے مذاکرات کا ڈول ڈالا اور دوسری طرف اس نے مقبوضہ کشمیر میں متعین اپنی مسلح افواج کو تحریک آزادیٔ کشمیر کو دبانے کے لئے ہر قسم کی سختی اور ظلم روا رکھنے کے اختیارات تفویض کردیئے۔ آج حالت یہ ہے کہ پورا مقبوضہ کشمیر عملی طور پر ایک جیل خانہ بن چکا ہے۔ وہاں مظلوم کشمیری خوراک اور دوائیوں کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر کی ہائی کورٹ کے ۷۲ سالہ سابق چیف جسٹس مفتی بہاؤالدین فاروقی نے کہا ہے کہ کشمیر کی زندگی ایک جیل کی زندگی میں تبدیل ہوچکی ہے۔ بہاؤالدین فاروقی جو جموں و کشمیر پیپلز بیک رائٹس پروٹیکشن کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ انہوں نے پچھلے ہفتہ چالیس الزامات پر مشتمل ایک کیس مقبوضہ کشمیر کی ہائی کورٹ میں داخل کیا جس کے وہ کبھی چیف جسٹس تھے۔ اس کیس میں انہوں نے بھارتی سیکورٹی فورسز پر ظلم و ستم، اغواء، آبروریزی اور عصمت دری وغیرہ کے سنگین الزامات لگائے ہیں۔

مقبوضہ وادی میں کاروبار بالکل ٹھپ ہے۔ ورکرز کام پر جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ والدین بچوں کو اس خوف سے اسکول نہیں بھیجتے کہ کہیں انہیں اغواء کرلیا جائے۔ بنک شاذ و نادر ہی کھلتے ہیں۔ کھلتے ہیں تو چیک کیش کرنے سے انکار کردیتے ہیں۔ بہانہ یہ ہے کہ بنک میں رقم ہی نہیں۔ اس تلخ صورتحال پر پردہ ڈالنے کے لئے بھارت نے مذاکرات کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ایک جال ہے جو وہ مذاکرات کے پردہ میں پاکستان کے گرد بچھا رہا ہے۔ اب یہ پاکستان کی موجودہ حکومت کی دانائی اور سیاسی بصیرت پر منحصر ہے کہ وہ اس جال کو کس طرح توڑتی ہے اور بھارت کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرتی ہے۔

سندھ کی صورتحال پر وفاقی وزارت اطلاعات کا سیمینار

"الطاف حسین جی ایم سید کے شاگرد ہیں۔"
(جسٹس قدیر الدین)

قائد اعظم نے رہن رکھی ہوئی ۱۶ لاکھ ایکڑ زمین مہاجروں میں تقسیم کرکے ناانصافی کی۔ (سینیٹر اعجاز جتوئی)

سندھ میں کبھی غیر سندھی وزیر اعلیٰ نہیں رہا شکایت کس سے کر رہے ہیں؟ (شاہ فرید الحق)

پورے سندھ میں کوئی مل نہیں تھا، اب "سو" ہیں (سید ہاشم رضا)

کراچی اس لئے بارونق ہے کہ یہاں کوئی وڈیرا نہیں (محمد احمد صدیقی)

"سندھ کی صورت حال" کا تجزیہ کرنے اس کی بگڑتی ہوئی امن و امان کی صورت حال اور بے چینی کو معلوم کرنے اور مسئلہ حل تلاش کرنے کے لئے ۱۸ اور ۱۹ جولائی کو وزارت اطلاعات نے "شیرٹن ہوٹل" کراچی میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ اس مذاکرہ کے انعقاد کے سلسلے میں سیکرٹری اطلاعات شاہجہاں کریم صاحب کی کاوشوں اور تنظیمی صلاحیتوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ مذاکرہ کے اہتمام وانصرام نہایت معیاری تھا۔ سیمینار کا انعقاد چار حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا دور سندھ کے تاریخی پس منظر پر مشتمل تھا اور اس پس منظر میں سندھ کا سیاسی اور تاریخی تجزیہ کرنا تھا اس پینل کی صدارت کے فرائض مظفر شاہ سابق اسپیکر سندھ اسمبلی نے سنبھالے جب کہ پینل کے دوسرے ممبران محترم حکیم سعید، پروفیسر شاہ فرید الحق، جسٹس قدیر الدین میر نواز خان مروت، مجید نظامی چیف ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت اور قاضی اسد عابد چیف ایڈیٹر روزنامہ عبرت تھے۔

شاہجہاں کریم:

سیمینار کا آغاز کرتے ہوئے وزارت اطلاعات کے سیکرٹری جناب شاہجہاں کریم نے سندھ میں کو بتلایا کہ ملک سے کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے اور اہم مسائل پر دانشوروں، صحافیوں، صنعت کاروں، پروفیسروں، ادیبوں اور دیگر حضرات کی آراء حاصل کرنے کے لئے وفاقی وزارت اطلاعات نے سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا ہے اس سے قبل بجٹ کے آنے سے پہلے کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں اس طرح کا سیمینار منعقد کیا تھا چونکہ سندھ احساس محرومی کا شکار رہا ہے قطع نظر اس کے کہ اس کے عواقب اور عوامل کیا ہیں۔ ضروری سمجھا گیا کہ مذاکرات کا دروازہ کھولا جائے

رپورٹ: عثمان خان نوری

تاریخی پس منظر کا تجزیہ کیا جائے اور مستقل حل کے لئے تجاویز پر غور کیا جائے اسی طرح کا ایک سیمینار اور زیر غور ہے جو شریعت بل کے سلسلے میں جلد ہی منعقد کیا جائے گا۔ اب میں جناب مظفر حسین شاہ صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صدارت کے فرائض انجام دیں۔

مظفر حسین شاہ:

۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۰ء تک سندھ میں احساس محرومی رہا ہے ... اگر یہ زمین صوفیاء کی زمین ہے کوئی حل نہیں ہے مسائل ہیں۔ مسائل پیدا کرنے والوں کے ذمہ دار کون ہیں حالات کو اس نہج پر لے جانے میں سب سے زیادہ گھناؤنا کردار "مارشل لاء" اور آمروں نے پیدا کیا ہے صدر ایوب نے ہماری زمین دوسروں کو دے دی۔ ہم بے زمین ہو گئے دوسرے صوبے کے لوگ صاحب جائیداد ہو گئے ہم نے "مہاجروں" کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ لیکن استحصالی ٹولے نے "مہاجروں" میں ایجنٹ پیدا کر دیئے۔ بس ہمارا گھر جل گیا۔ اس جلتے ہوئے گھر کی راکھ کو صاف کرنا ہے انسانی قدروں کو اجاگر کرنا ہے۔ اس کے لئے میں اس "DiLoGUE" کو اوپن کرتا ہوں تمام مندوبین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صبر و تحمل کے ساتھ ایک دوسرے کو سنیں۔

پروفیسر شاہ فرید الحق:

سندھ کے حضرات مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے ریزولیشن کا بار بار ذکر کر کے حقائق سے منہ موڑ رہے ہیں ۱۹۴۶ء میں دہلی میں قائد اعظم کی زیر صدارت مسلم لیگ کا اجلاس ہوا اور اتفاق رائے سے وفاق کی بات کی گئی، انہوں نے کہا بہر حال ہر ... صوبوں کو بعض معاملات میں صوبوں کو

[illegible] ہو رہی ہے۔ پروفیسر شاہ فرید الحق نے کہا کہ یہ [illegible] سندھ میں غیر سندھی [illegible] اپنے وڈیروں کے [illegible] اس بات کا [illegible] کی جا [illegible] ہم پاکستان [illegible] سے پہلے پاکستان [illegible] برصغیر [illegible] علاقہ کے مسلمانوں کو آزادی کے بعد بڑے بڑے مصائب اٹھانے پڑے [illegible] آزادی کے بعد [illegible] چالیس سال کے بعد [illegible] آپ کو [illegible] پسندوں کا [illegible] پاکستان [illegible] سندھ [illegible] فائدہ اٹھایا اور آج سندھ آگ اور خون میں جل رہا ہے۔ پروفیسر شاہ فرید الحق نے کہا سب کا حل یہ ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے والا جذبہ پیدا کیا جائے۔ لسانی، علاقائی اور عصبیتی گروہ کا خاتمہ کر کے مسلم قومیت کو اجاگر کیا جائے۔ جب قوم ایک ہو جائے گی تو سیاسی مسائل خود بخود حل ہو کر ختم ہو جائیں گے۔

جسٹس قدیر الدین احمد:

پاکستان کی تحریک کے سلسلے میں میرا خصوصی تجربہ ہے۔ میں دہلی مسلم لیگ کا صدر رہا ہوں۔ پاکستان کی تحریک شروع ہوتے ہی لوگ مذہب کے نام سے شروع ہوئی۔ ڈیموکریسی مسلمانوں کی شمولیت اور ۱۹۴۶ء کو لیگ نے پاکستان کی جانب [illegible] قوم تھا پاکستان [illegible] COMPROMISE کی شکل میں تھا جہاں ایک قوم ہوگی جہاں ان کا اقتدار ہوگا سندھ میں اس وقت مہاجر یا غیر مہاجر کا جھگڑا چل رہا ہے۔ یہ دونوں گروہ آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ کیا صوبوں کے ذریعہ قومیتیں بنتی ہیں۔ ہم اسلام کی تعلیم اور اس کے زریں اصول کو بھلا بیٹھے ہیں۔ آپ کے پاس جو چیز اکٹھی کرنے والی تھی یعنی مسلم قومیت وہ آپ بھلا بیٹھے ہیں تو پھر ایک قوم نہیں رہیں گی قوم کے نعرے لگیں گے یہ تو [illegible] کے ذریعہ ہیں ہم سندھی ہیں، پنجابی ہیں، پٹھان ہیں، بلوچی ہیں، مہاجر ہیں۔ ہم پر بھی حالات [illegible] کس نے بنائی جب ہی تو ہمارے الطاف حسین صاحب ہی ایم کیو ایم سندھ کے [illegible] تھے۔ سندھ کو [illegible] نے الطاف حسین کو بھیجا دستور میں تو سندھی [illegible] ہے دستور میں اپنے مقصد کو پورا کرنے کی باتیں کی جا رہی ہیں اس دستور اپنے لئے نہ بنائیں دستور قوم کے لئے بنائیں۔ دستور کی بنیاد ایک قوم ایمان اور اسلام ہو تو سارے مسئلے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

میڈم اعجاز جتوئی:

مجھے سیمینار کی باتیں سن رہا تھا افسردہ بھی ہو رہا تھا کہ کسی بھی خطہ زمین پر اگر تاریخ کو تبدیل کیا جائے تو وہ تاریخ کا حصہ نہیں بن جاتی۔ کسی بھی جگہ طاقت کے ذریعہ بندوق کے ذریعہ بدلنے کی کوشش کی گئی تو وہ نہیں بدلی۔ مغلیہ سلطنت آخری سانسیں لے رہی تھی۔ سندھی قوم نے انگریزوں کی بھی فخریہ کہوں گا سندھ ایک قوم ہے اس کی ایک ثقافت ہے سندھ۔ بمبئی سے اس کو علیحدہ کیا کہ اس کی ایک الگ قوم تھی الگ زبان تھی الگ معاشرہ تھا قائد اعظم نے پاکستان کو ایک SECULER STATE بنانے کا اعلان کیا تھا پھر کیا مضبوط مرکز تھا سیٹھ [illegible] نے کہا سندھ کی جو زمینیں دی گئیں ہیں وہ ہندوؤں سے چھین کر نہیں دی گئیں۔ یہ زمینیں ہندوؤں کے پاس رہیں رکھی گئی تھیں۔ قائد اعظم نے ۱۹۴۸ء لاکھ ایکڑ زمین ہم سے چھین لی اور ہندوستان سے آئے ہوئے لوگوں کو دے دی ہندوؤں کے ساتھ ہم پرامن طریقے سے رہتے تھے لیکن ہندوستان سے آئے ہوئے لوگوں نے جہاں فساد برپا کر رکھا ہم موجودہ SET UP سے خوش نہیں۔ میرا سندھ اسلام آباد چلا گیا۔

سید ہاشم رضا:

انہوں نے بڑی بسط و شرح کے ساتھ پاکستان سے قبل اور پاکستان کے بعد سندھ کی صورت حال اور سیاسی و معاشی پس منظر پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ مہاجر پاکستان میں آئے کسی صوبہ سے نہیں آئے پاکستان کے قیام سے پہلے ہندو سندھ پر چھائے ہوئے تھے حالانکہ ہندو تعداد میں قلیل تھے لیکن محکمہ مالیات میں ۸۰ فیصد ہندو تھے اسی طرح پولیس ڈپارٹمنٹ میں بھی ۸۰ فیصد ہندو تھے۔ پی۔ ڈبلیو ڈی پارٹمنٹ میں تو ۸۰ فیصد ہندو تھے۔ تعلیم کے میدان میں بھی ہمارے سندھی مسلمان بھائی بہت پسماندہ تھے کراچی میں پانچ ہائی اسکول ہندو چلاتے تھے جبکہ پورے سندھ میں مسلمانوں کے صرف چار اسکول تھے ۳۱ ہندو آئی سی ایس افسر تھے پاکستان کی کسی نے بھی خدمت کرنے کی پیشکش نہیں کی۔ صرف ایک مسلمان آئی سی ایس افسر تھا سندھ میں کوئی بھی ٹیکنیکل ملازم نہیں تھی۔ سندھ کی معیشت اور معاشرت پر ہندو قابض تھا لیکن پاکستان بننے کے بعد یہاں ہزاروں تعلیمی ادارے قائم ہوئے اب سندھی بھائیوں کو کوٹے کے مطابق ۶۰٪ ملازمت ملتی ہے جبکہ سندھ میں صنعتوں کا جال بچھ چکا ہے۔ سندھ میں اس وقت ستر کے قریب ٹیکنیکل ملازم ہیں۔ ہندوستان سے آنے والوں نے سندھ کی خدمت کی ہے سندھ کو لوٹا نہیں ہے۔ سندھ کو بنایا ہے سندھ خشک تھا لیکن ہماری محنتوں سے اب یہ سرسبز اور شاداب ہو گیا۔ انہوں نے کہا آئی سی ایس افسر اس لیے یہاں آئے کہ یہاں خدمت کرنے کی ضرورت تھی قائد اعظم کی درخواست پر آئے تھے بجائے شکوہ شکایت کے ہم کو چاہیے کہ ہم مل کر اس پاکستان کو مضبوط بنائیں۔

میر نواز مروت:

یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو لادینی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس فورم پر یہ تاریخی ریکارڈ درست کر دوں قائد اعظم نے جگہ جگہ کہا تھا کہ پاکستان اسلام کی لیبارٹری ہوگا انہوں نے کہا اسی جذبہ سے سرشار ہو کر برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان بنایا تھا ورنہ کیا ضرورت تھی قربانی دینے کی۔ انہوں نے کہا پاکستان کی معیشت کا انحصار بین الصوبائی ہے کہیں سے بجلی ملتی ہے تو کہیں سے پانی، کہیں سے کوئلہ ملتا ہے تو کہیں سے گیس۔ اگر شعوبی کی بات ہوتی رہی تو پھر معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی اور لوگ بھوکے اور ننگے پھریں گے۔ انہوں نے کہا نفرت کی جگہ کو محبت سے پر کریں۔ تاریخی پس منظر کا حوالہ دیتے ہوئے میر نواز مروت نے کہا کہ سندھ کی دھرتی محبت کی دھرتی ہے اولیاء عظام کی دھرتی ہے انہوں نے محبت اور اخوت کا درس دیا تھا تو کیا ہم اس درس کو بھول گئے جو آپس میں مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خون کی حرمت تو خانہ کعبہ سے زیادہ ہے۔ دراصل اگر جذبہ نیک ہو تو ہمارے تمام اختلافات دور ہو سکتے ہیں ہمارے اندر اختلافات مارشل لاء کے آمروں اور ان

(باقی صفحہ [illegible] پر)

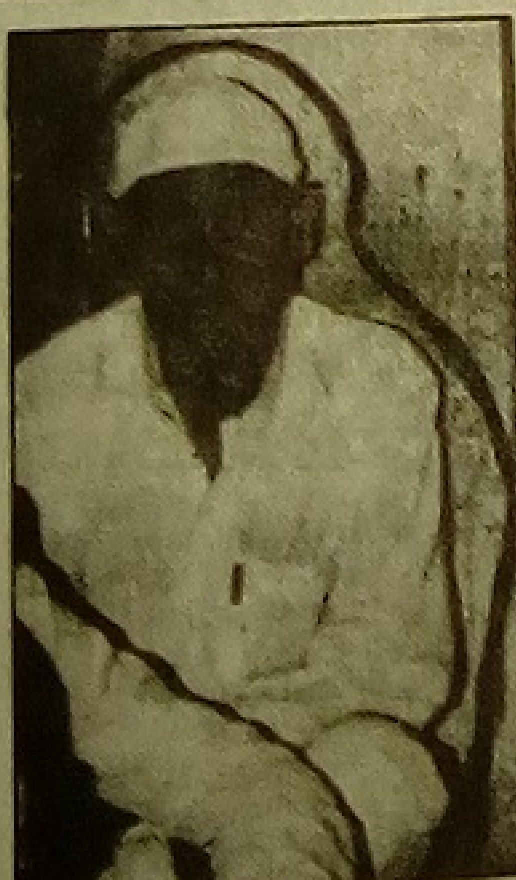


پھلیلی تانگہ اسٹینڈ پر بم کے دھماکہ میں شدید زخمی ہونے والا احسان چند دن پہلے اسی جگہ اپنے کاروبار میں مصروف تھا

بارش! بم رکھ دیئے گئے قیامت ٹوٹنے والی ہے

اور

حیدرآباد پر قیامت گزر گئی!




دھماکہ میں ہلاک ہونے والے میاں بیوی امام بخش اور جنتو

سیّد نور الحسن جیلانی

۱۵ جولائی کو طلوع ہونے والے سورج کی کرنیں حیدرآباد کے شہریوں کے لیے پیغام موت بن کر پھیلیں۔ حیدرآباد کا ہر روز معمول کے مطابق متحرک اور فعال تھا۔ دکانیں بازار کھلے ہوئے تھے۔ ٹریفک رواں دواں تھا کہ اچانک موت نے اپنی آمد کا اعلان انتہائی گرجدار آواز میں کیا اور پھر ہر طرف دھوئیں کے بادل امنڈ آئے۔ سورج بادلوں کی آغوش میں کھو گیا۔ آسمان سے انسانی خون کی بارش ہونے لگی جس کے چھینٹے دور دور بکھرے لوگوں نے محسوس کیے انسانی اعضا اولوں کی شکل میں دور دور بکھر گئے۔ مجسم موت کی اس برسات میں بھیگنے والوں کا شور موت کے دھماکوں میں دب کر رہ گیا۔ غروب ہوتے سورج کے ساتھ کتنی ہی ماؤں کے لخت جگر، کتنی ہی بیویوں کے سہاگ کتنی ہی بہنوں کے مان اور کتنے ہی معصوموں کے باپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گئے۔

حیدرآباد کے بے گناہ اور معصوم شہریوں پر ایک مرتبہ پھر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شہر کے گنجان آباد علاقوں اور

بازاروں میں بموں کے دھماکوں سے پلک جھپکتے میں درجنوں افراد کے پرخچے اڑ گئے۔ انسانی گوشت کے لوتھڑے اور خون کے چھینٹوں سے چپہ چپہ اٹ گیا۔ ۱۲ مئی سے ۲۷ مئی تک اس شہر میں ہونے والے خونی فسادات اور خونی "کلانڈو پولیس ایکشن" جس میں سینکڑوں افراد پولیس دہشت و بربریت کا نشانہ بنے تھے، مائیں، بہنیں، بیٹیاں، بچے، بوڑھے، جوان جن کے خون سے اس شہر کے گلی کوچوں، شاہراہوں، مسجدوں کو رنگین بنایا گیا تھا۔ ابھی تو ان کے خون کی خوشبو بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تو اجڑی ہوئی سہاگنوں نے چوڑیاں بھی نہیں پہنی تھیں۔ ابھی تو ماؤں سے بچے باپ کے متعلق پوچھ ہی رہے تھے۔ ابھی تو بھائی اپنے سہارے کے بوجھ چل بھی نہیں پایا تھا۔ ابھی تو ماں جوان بیٹے کے لاشے کو بھلا بھی نہیں سکی تھی۔ ابھی تو باپ کی نگاہوں سے بیٹے کو قبر میں اتارنے کا منظر بھی اوجھل نہیں ہوا تھا۔ ابھی تو مساجد کے میناروں اور دیواروں سے گولیوں کے نشان بھی نہیں مٹے تھے۔ ابھی تو سوگ میں لگے ہوئے کالے پرچم بھی نہیں اترے تھے۔ ابھی تو ایک عزیز نے میت پر ہونے والے خرچ کا قرضہ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ ابھی تو یہ دکھ تازہ ہی تھا کہ ۵ جولائی کو اس شہر کو ایک اور نہ بھلا دینے والا زخم دے دیا گیا۔ حیدرآباد کے پانچ اہم مقامات پر اور ایک مسافر ٹرین میں یکے بعد دیگرے بم کے دھماکوں نے ہولناک تباہی مچادی اور دیکھتے ہی دیکھتے حیدرآباد خاک و خون میں لتھڑ گیا۔ دور دور تک آگ اور دھوئیں کے مرغولے کے ساتھ بارود کی حکمرانی تھی۔ انسانیت فریاد کناں تھی اور دہشت گردی، لاشوں کے انبار اور تڑپتے سسکتے زخمیوں کے درمیان قہقہے لگا رہی تھی۔ تخریب کار ایک مرتبہ پھر شہریوں کو خاک و خون میں تڑپانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ وہ اپنی کامیابی پر نازاں تھے ان کے حوصلے بلند تھے اور سابقہ روایت کے تحت ایک مرتبہ پھر آنے کا



دہشت گردی کا شکار دو معصوم بچوں کا باپ اکرم

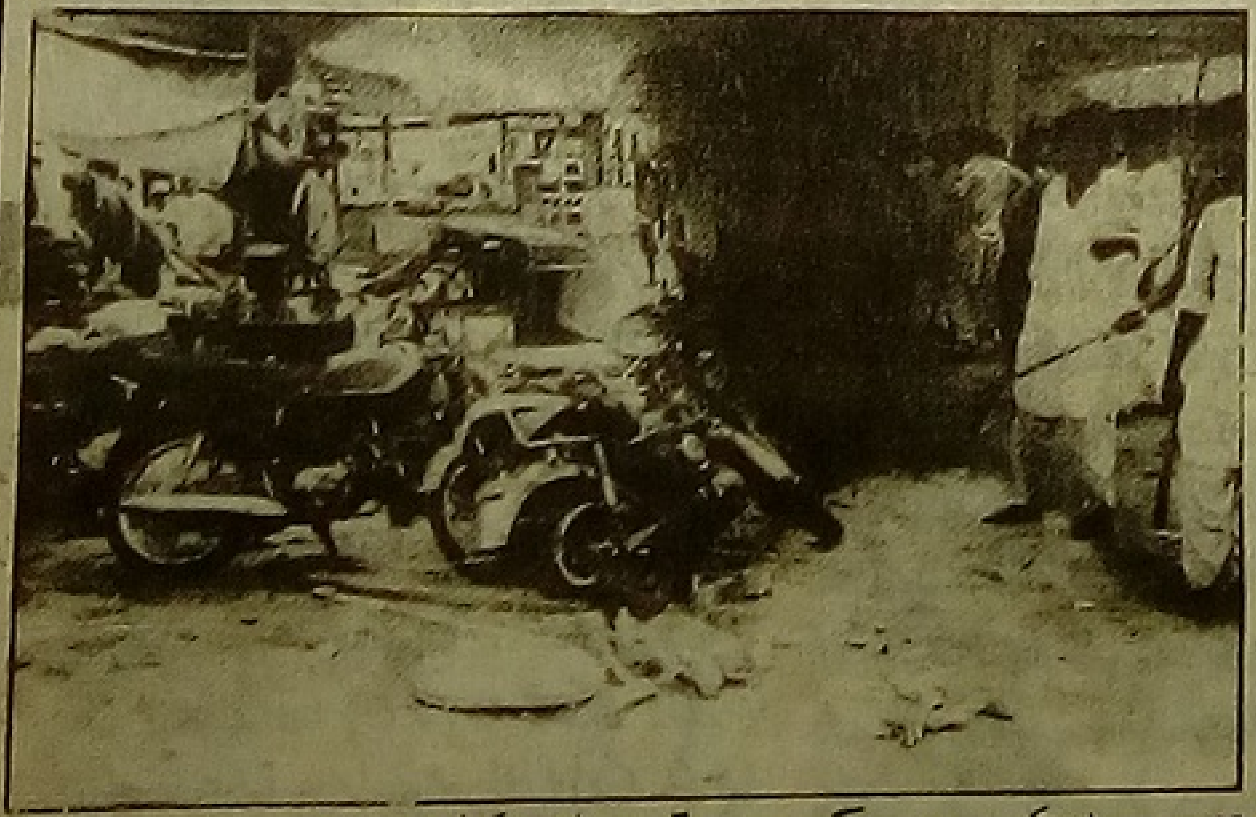
وعدہ کر کے فرار ہو چکے تھے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی تمام تر قوت کے ساتھ بے بس نظر آتے تھے۔ مٹھی بھر دہشت گرد ان کی آنکھوں میں دھول جھونک گئے تھے۔

اور پھر شہر میں ایک افراتفری کا عالم تھا ہر طرف چیخ و پکار تھی خواتین بے پردہ ننگے پاؤں اپنے بیٹے بھائیوں اور شوہروں اور عزیز و اقارب کو پکارتی نظر آرہی تھیں ہر نظر لاشوں کے ٹکڑوں پر لگی ہوئی تھی کہ کہیں ان کا کوئی عزیز و اقارب تو نہیں، پاک فوج کے جوان پلاسٹک کی تھیلیوں اور مختلف ڈبوں میں انسانی اعضاء جمع کرنے اور عوام کے امڈ آنے والے اس طوفان کو جو جائے حادثہ پر جمع ہو گیا تھا کنٹرول کرنے میں مصروف عمل نظر آتے تھے۔ نوجوان بلا کسی امتیاز غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور درد انسانیت کے تحت پاک فوج کا ہاتھ

بٹانے میں مصروف تھے جبکہ کچھ عناصر اس موقع پر بھی اپنی تخریبی سوچ کو کنٹرول کرنے میں ناکام رہے اور انہوں نے کپڑا مارکیٹ اور بھٹائی اسپتال کے بالمقابل پولیس رینجرز اور فوج پر پتھراؤ کر دیا جس کے جواب میں پولیس اور رینجرز نے فائر کھول دیئے۔ اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔

جو بھٹائی اسپتال میں بم کے دھماکوں کے زخمیوں کو خون دینے آئے تھے جبکہ درجنوں گولیاں لگنے سے شدید زخمی ہوئے۔ نوجوانوں نے روڈ پر سے تمام رکاوٹیں ہٹادیں تھیں اور ہر اہم موڑ اور چوک پر نوجوانوں کی ٹولیاں کھڑی تھیں جو زخمیوں کو لے جانے والی ایمبولینسوں کو کلیئر کا اشارہ دے رہی تھیں۔ اس طرح ایمبولنس برق رفتاری سے زخمیوں کو اسپتال پہنچانے کا کام سرانجام دے رہی تھیں جبکہ پرائیوٹ سوزوکیاں اور دوسری گاڑیاں بھی زخمیوں اور خون کے عطیات دینے والے افراد کو اسپتال پہنچا رہی تھیں ان تمام واقعات میں ایک قابل افسوس بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ نام نہاد اسلامی جماعت کے کارکنان گلی کوچوں میں زخمیوں کے نام پر چندہ جمع کرتے نظر آئے۔ جبکہ خدمت خلق کے یہ دعویدار بقول ان کے رہنماؤں کے الفلاح کے نام پر پچھلے سالوں کے مقابلے میں اس سال بھی کئی گنا کمائیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ انسانیت کی خدمت کے لئے دل کھول کر خرچ کرتے مگر اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مزید فنڈ میں اضافہ کرتے نظر آئے۔ جبکہ مخیر حضرات نے دواؤں اور دوسری اہم ضروریات کا تمام تر سامان اسپتالوں میں پہنچا دیا تھا جائے حادثہ گوشت مارکیٹ کا نقشہ پیش کر رہی تھی جگہ جگہ انسانی خون اور گوشت کے لوتھڑے جو دھماکے کے ساتھ ہی فضا میں بلند ہوئے اور دیواروں سے جا ٹکرائے اور بکھرے پڑے تھے۔

گھنٹہ گھر پر ہونے والا دھماکہ ایک فرشی ام فروش

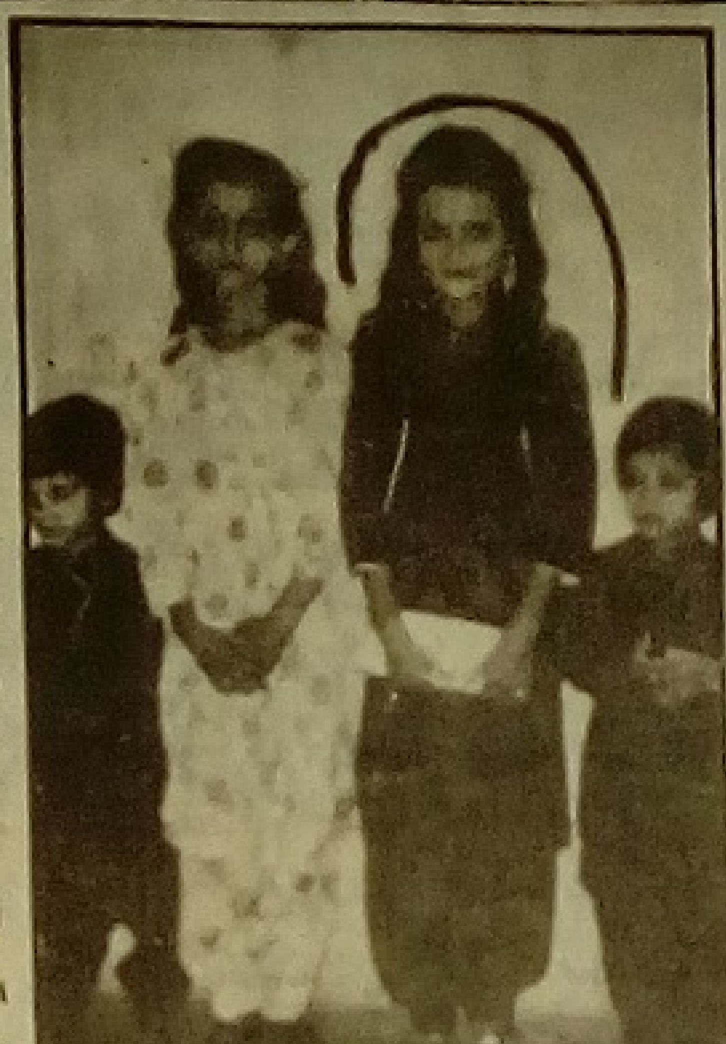




حیدرآباد میں بموں کے دھماکوں سے تباہ کاریاں







بارود سے [illegible] کا جسم دھماکہ سے چھلنی ہوگیا

کے پاس ہرا جو اقلیتی مذہب سے تعلق رکھتا تھا عینی شاہدین نے بتایا کہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کچھ آم خریدے اور جاتے وقت ایک پلاسٹک کی تھیلی چھوڑ گیا اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والا یہ آم فروش جس کا نام موسیٰ کولی تھا اس نے اس خیال سے کہ شاید آم خریدنے والا تھیلی بھول گیا ہے اور دوبارہ یاد آنے پر تھیلی لینے آئے گا تھیلی کو اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ چند منٹ بعد تھیلی میں موجود بم ایک زوردار دھماکے سے پھٹ اور کولی کا بازو اس کے جسم سے الگ ہو کر سامنے دکانوں کے پاس جا گرا جبکہ اس کا جسم زرد کھڑے ٹھیلوں کے درمیان میں آ کر گرا گھنٹہ گھر پر ہلاک ہونے والا اسلام الدین جو کہ بھائی خان چاڑی کا رہنے والا ہے۔ اپنے ٹھیلہ پر بیٹھا ہوا تھا عینی شاہد رحمت اللہ نے بتایا کہ اسلام الدین کی چیخ اور سر پر شدید چوٹ آئی۔ اور وہ ٹھیلہ پر ہی گر پڑا جبکہ اس پاس کے ٹھیلے والے دکاندار اور راہگیر شدید زخمی ہوئے رحمت اللہ بتاتے ہوئے آبدیدہ ہو گیا کہ کولی کا کفن دفن اس کے گھر والے قرضہ لے کر کیا ہے وہ انتہائی غریب آدمی تھا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا تھا فٹ پر بوری بچھا کر مختلف فروٹ فروخت کرتا تھا اس کی خواہش تھی کہ اس کی ایک اپنی ریڑھی ہو جس پر وہ فروٹ فروخت کرے وہ بہت اچھا آدمی تھا مگر کیا پتہ تھا کہ ہمارا ایک اچھا ساتھی اس طرح جدا ہو جائے گا۔ رحمت اللہ نے بتایا کہ اس نے لواحقین میں چار بچے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے جبکہ ایک لڑکی جوان ہے وہ ہمیشہ اس کے بارے میں فکرمند رہتا تھا اور کہتا تھا کہ لڑکی کی شادی کرنی ہے ہم احوال کے لئے جب یہ معلومات جمع کر رہے تھے تو تمام ریڑھی والے اور وہاں موجود لوگ جمع ہو گئے اور یہ سمجھ کر آپ برائے مہربانی کولی کے لئے کچھ

بچے اس کے گھر میں فاقے ہو رہے ہیں وہ اپنے چھوٹے سے خاندان کا واحد کفیل تھا۔

گھنٹہ گھر پر ہی ہلاک ہونے والے اسلام الدین نے لواحقین میں آٹھ بچے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے اسلام الدین کے سالے حبیب الرحمن نے بتایا کہ جب بم کا دھماکہ ہوا تو میں گھر کھانا کھانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ گھنٹہ گھر پر تمہاری ریڑھی کے قریب بم کا دھماکہ ہو گیا ہے تو میں گھبرایا ہوا یہاں آیا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ بہنوئی کو کراچی بھیج دیا تھا مگر دوسرے روز ہی اس نے کراچی میں دم توڑ دیا۔ اسلام الدین اپنے گھر کا واحد کفیل تھا۔

چھوٹی گلی پر کھمبے سے لٹکی ہوئی لال بنیان تباہ شدہ ٹھیلہ جو خود بھی کھمبے سے آدھا لٹکا ہوا ہے۔ لکڑی اور کانچ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ملبے کا ڈھیر جس پر سوگ کی نشانی کے طور پر اس اسپیکر کا کالا پردہ چیتھڑوں کی شکل میں پڑا ہے۔ جس میں سے آواز آتی تھی کہ ایک روپے گلاس تازہ شربت ایک روپے گلاس "ہاں اسی بدنصیب ٹھیلہ پر مقصود شربت فروخت کر رہا تھا جس کے نیچے بم رکھا گیا تھا۔ بم کے ہولناک دھماکوں کے ساتھ ہی مقصود کے جسم کے کئی حصوں کا گوشت فضا میں بکھر گیا جبکہ مقصود کا دھڑ دور جا گرا ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ مقصود کے باقی ماندہ جسم پر دراڑیں پڑ گئی تھیں اور اس کا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ مقصود کا چھوٹا بھائی محمود جو غم سے نڈھال نظر آتا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہہ سکا کہ اللہ کی مرضی مقصود نے لواحقین میں ایک بیوہ اور آٹھ بچے چھوڑے ہیں۔

عبدالرؤف عرف چھوٹا جو کہ مقصود کا بہنوئی تھا اور اسی علاقے میں رہائش پذیر عامر جو کہ شربت پینے کے ارادے سے ٹھیلے کے پاس کھڑے تھے اسی دھماکے میں لقمہ اجل بن گئے۔

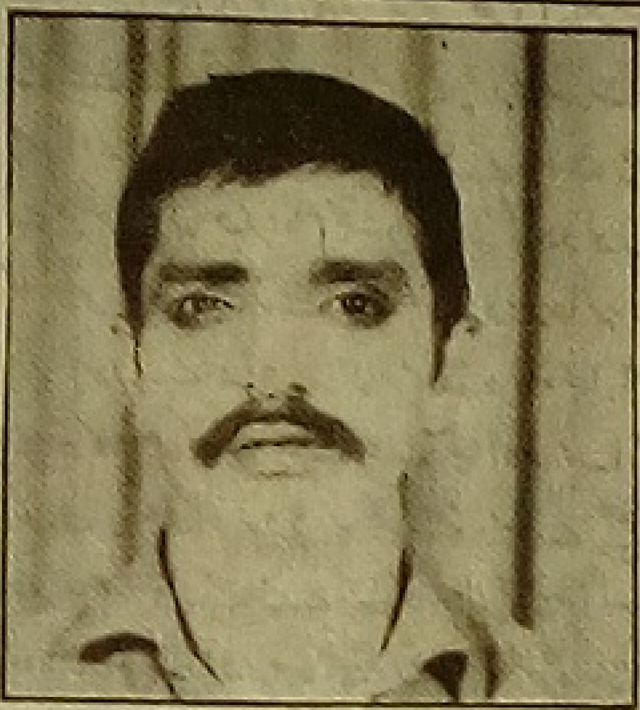
محمد احمد نامی ایک شخص نے بتایا کہ عبدالرؤف عرف چھوٹا میرا رکشہ نمبر ۱۲۵۲ H.D.R چلاتا تھا ہلاک ہونے والا عامر جس کے والد کی لیتھ مشین کی دکان حیدرآباد میں ہے پنکھے کی موٹر لینے عبدالرؤف کے رکشہ میں چھوٹکی گھٹی آیا تھا۔ محمد احمد نے بتایا کہ چھوٹا ہر وقت ہنستا رہتا تھا اور سب کو ہنساتا رہتا تھا گھر کا واحد کفیل تھا۔ چھ بچے ہیں جن میں سے پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے جب ہم معلومات جمع کرنے عبدالرؤف کے گھر واقع یونٹ آٹھ نمبر لطیف آباد پہنچے تو ان کے بڑے بھائی سے ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹی سی بچی ایک بچے کو گود میں لے کر آئی اندر مرحوم کے بڑے بھائی کو مخاطب کر کے کہنے لگی تایا یہ بہت رو رہا ہے اور ضد کر رہا ہے کہ رکشہ میں چکر کھاؤں گا۔ عبدالرؤف کے بڑے بھائی نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ مرحوم ان بچوں کو روز آ کر رکشہ میں سیر کرانے لے کر جاتا تھا۔ جب ہم نے سوال کیا کہ آپ کتنے بھائی ہیں۔ تو مایوس مرجھائے ہوئے لہجہ میں جواب ملا کہ اب دو رہ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ آج

سے دو سال قبل ہم پانچ بھائی تھے مگر ڈیڑھ سال قبل اور چھ ماہ قبل بالترتیب ہمارے دو بھائی خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اب ہمارا تیسرا بھائی بھی بے رحم قاتلوں نے چھین لیا۔

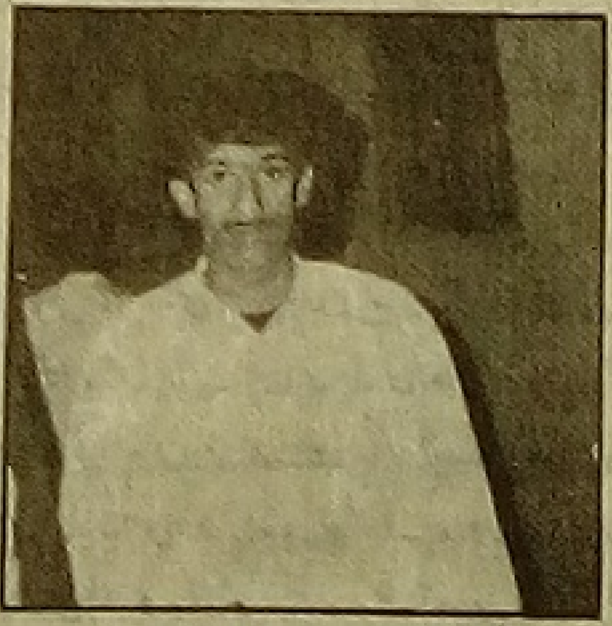
چھ ٹکی گٹی پر ہی ہلاک ہونے والا نوجوان ندیم چند لمحوں پہلے ہی اپنے دوستوں کے ساتھ اخبار فروش نعیم کی دکان پر بیٹھا تھا اس کے والد نور خان نے اشکبار آنکھوں سے ندیم کے بارے میں بتلاتے ہوئے کہا کہ میرا بچہ تو بہت نیک تھا کبھی کسی سے نہیں جھگڑتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ دھماکے سے چند منٹ پہلے میں نے ندیم کو کہا تھا کہ بہن کے گھر مٹھائی دے کر آ جاؤ وہ اخبار فروش نعیم کے پاس بیٹھا تھا اکثر تمام دوست وہیں بیٹھا کرتے تھے ندیم ابھی اٹھ کر چھوٹکی گٹی چوک دہی بھلے والے کی ریڑھی کے پاس ہی پہنچا تھا کہ دھماکہ ہوا اور میرا لختِ جگر مجھ سے روٹھ گیا ندیم کے ضعیف العمر والد نے بتایا کہ ندیم اپنے بوڑھے ماں، باپ، چار بھائی اور چھ بہنوں کو سوگوار چھوڑ کر ہم سے دور چلا گیا۔

اسی منحوس مقام پر ہلاک ہونے والے دو معصوم بچے راشد اور عینی کے چاچا نے تھرتھراتے ہونٹوں سے اپنے گلشن کے اجڑنے کی داستان سناتے ہوئے کہا کہ جمعہ کو ہمارے رشتہ داروں میں شادی ہونے والی تھی۔ عینی میری بھانجی اور راشد بھتیجا تھے ہماری بھابی نسرین دونوں بچوں کو لیکر چھٹکی گٹی گئیں تھیں تاکہ شادی کے لئے بچوں کے کپڑے اور دوسری ضروری اشیاء خریدی جا سکیں کسے معلوم تھا کہ ہم اس طرح لٹ جائیں گے۔ بھابی نسرین کے ساتھ دونوں بچے شاپنگ میں مصروف تھے کہ بم کے دھماکہ نے تینوں کو جدا کر دیا۔ بھابی نسرین کی دونوں ٹانگیں شدید متاثر ہوئی ہیں۔ اور ڈاکٹروں نے انہیں کراچی بھیج دیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے رو پڑے اور وہاں موجود تمام احباب کی آنکھیں بھر آئیں انہوں نے بتایا کہ راشد نے تو اسی وقت دم توڑ دیا تھا مگر عینی کا کچھ پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ امدادی ٹیم عینی کو اٹھا کر اسپتال لے گئی ہے اور عینی بھی فوت ہو چکی ہے۔ عینی کا ایک بازو جسم سے الگ ہو گیا تھا اور اس کی شناخت بڑی مشکل سے ہوئی ہے اس کا چہرہ بھی کچھ جھلسا ہوا تھا۔ بچوں کے دادا نے جو یہ تمام باتیں غور سے سن رہے تھے سوالیہ انداز میں کہا کہ آخر یہ ظالم قاتل کب تک گرفتار ہوں گے؟ کب لوگوں کو انصاف ملے گا۔ ہمارا تو ہنستا بستا گھر ظالموں نے اجاڑ ڈالا ہم کس سے شکایت کریں؟ کس کے ہاتھوں پر اپنے بچوں کا لہو تلاش کریں!

چھوٹکی گٹی پر بم کے دھماکہ میں زخمی ہونے والے ایک طالب علم محمد اعظم نے بتایا کہ میں چھوٹکی گٹی بیٹ کی خریداری کے لئے آیا تھا کہ اچانک زوردار دھماکہ ہوا اور ہر طرف دھواں ہی دھواں چھا گیا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رات ہو گئی ہو میں بھاگتا بھاگتا چاچا میوزک سینٹر تک گیا مگر خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے گر پڑا میں نے دیکھا کہ ہر طرف خون ہی خون ہے اور میرے علاوہ کتنے ہی لوگ خون میں لت پت پڑے تھے چند نوجوان مجھے اٹھا کر قریبی گلی میں واقع ایک کلینک تک لے گئے پھر اس کے بعد مجھے



دھماکہ کا شکار مقصود احمد شربت فروش



چھٹکی گٹی پر ہلاک ہونے والا ندیم

ہوش نہیں کہ میں اسپتال کیسے پہنچا۔

اسی مقام کے ایک اور شدید زخمی محمد حمید نے احوال کو بتایا کہ جہاں بم پھٹا میں اس مقام سے قریب ہی تھا دھماکہ کے ساتھ میں نے اپنی جگہ سے اچھال لیا اور میں گر پڑا لیکن میں فوری طور پر اٹھا اور شاہی بازار کی طرف بھاگا مگر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ میرا دوست مجھے موٹر سائیکل پر ڈال کر گاڑی کھاتہ لے آیا جہاں سے مجھے ایدھی ایمبولنس کے ذریعے ذریعے بھٹائی اسپتال پہنچایا گیا اس نے بتایا کہ بھٹائی میں آنے والا پہلا زخمی میں تھا۔ حمید کا سارا جسم چھلنی تھا اور اسے بات کرنے میں انتہائی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

بم کا ایک اور دھماکہ جو اہم پبلک پوائنٹ نہیں کلاتھ مارکیٹ میں ایک چھپرے کے چھجے کے نیچے ہوا جس کے نتیجے میں تقریباً اکیس افراد زخمی اور تین راہگیر ہلاک ہو گئے۔ جائے وقوعہ پر انسانی خون کے علاوہ خواتین کی چپلیں، چوڑیاں اور پرس جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ بم کے دھماکے سے دکانوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اچھل پڑے۔ اس موقع پر محمد وزیر ۱۲ سالہ فضل اور ۲۲ سالہ محمد اقبال جو کھوکھے کے قریب کھڑے تھے اچھل کر دور جا گرے اور بعد میں زخموں کی تاب دلاتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اس موقع کے ایک عینی شاہد محمد اسلام ولد محمد جنید دیگر جو خود بھی زخمی ہیں انہوں نے بتایا کہ دھماکہ ہماری دکان سے کچھ ہی دور ہوا تھا۔ دھماکے کے بعد ایک کہرام مچ گیا ہر طرف چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں عورتوں نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی میں خود زخمی حالت میں پڑا تھا دھواں اس قدر شدید تھا کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر کچھ دیر بعد ہی ایمبولنس وہاں پہنچ گئی اور امدادی کام شروع ہو گیا انہوں نے بتایا کہ جب بم پھٹا تو میں تقریباً تین فٹ اوپر اچھلا۔ ہم چار بھائی شدید زخمی ہوئے۔ محمد علی جنید دیگر جس کی حالت نازک تھی اسے کراچی بھیج دیا گیا ہے۔ محمد اکرم جنید دیگر جسے فوجی اسپتال سی۔ ایم۔ ایچ میں داخل کیا گیا ہے۔ محمد طفیل جنید دیگر اور ایک بچہ جسے اسٹول پر سے گرنے سے سر پر شدید چوٹ آئی ہے۔

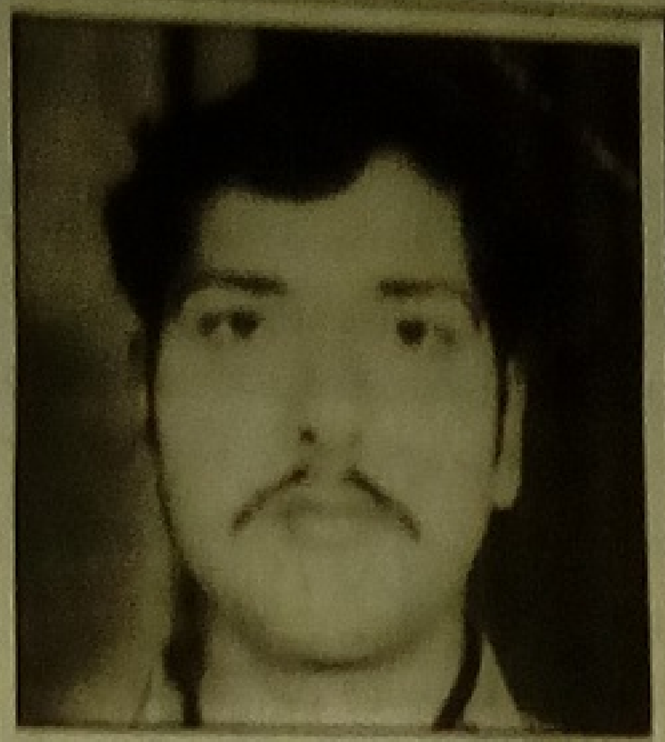
اسی مقام کی ایک اور زخمی ریحانہ جو کہ کپڑا مارکیٹ سے قریب میمن اسپتال میں دوائی لینے آئی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ دوائی لینے کے بعد میں اور میری بہن شکیلہ کپڑا خریدنے کے ارادے سے کپڑا مارکیٹ آ گئے ابھی ہم کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا ہمارے ہاتھ سے دوائی اور دیگر سامان اچھل کر گر پڑا۔ میرے دونوں پاؤں میں اور شکیلہ کی کمر میں بم کے ذرات یا کوئی اور چیز لگی تھی ہم روڈ پر ہی گر پڑے اور اس کے بعد ہمیں ایمبولنس کے ذریعے اسپتال پہنچا دیا گیا۔ ریحانہ بھٹائی

اسپتال کے وارڈ میں اسماعیل بستر والے پلنگ پر لیٹے تھے جہاں اور بھی کئی زخمی موجود تھے۔

اسی سلسلے کا ایک اور دھماکہ جولی لین اسپتال روڈ پر ایک منی ٹیکسی میں ہوا جس کے نیچے بم تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور موقع پر ہی ہلاک ہو گیا اور منی ٹیکسی کے پرخچے اڑ گئے۔ عینی شاہدین کے مطابق ڈرائیور کے اعضاء دور دور بکھر گئے تھے۔ بم منی ٹیکسی کی پچھلی نشستوں کے نیچے ڈرائیور کے قریب رکھا گیا تھا۔ بم کے دھماکے کے موقع پر منی ٹیکسی سے تمام مسافر اتر چکے تھے اور ڈرائیور قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ سانحہ رونما ہوا۔ اسی دھماکے میں ہلاک ہونے والا موٹر مکینک محمد ابراہیم عالی جو کہ اپنے گیرج کے باہر کھڑا تھا۔ دھماکے کے ساتھ ہی گرا اور دم توڑ دیا۔ ابراہیم کے بھائی نے بتایا کہ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ بھائی کا دل پھٹ گیا اور اسی بنا پر ان کی موت واقع ہوئی۔ وہ یہ بتاتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے کہ بھائی نے لواحقین میں ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے ہیں جن میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں جن میں سے ایک پولیو کا مریض ہے۔

بم کا پانچواں دھماکہ چلیلی تانگہ اسٹینڈ سنار گلی کے قریب امام بخش کے ٹھیلے کے نیچے ہوا جو آم فروخت کر رہے تھے۔ اس ہولناک دھماکے نے ایک ہی گھر کے تین چراغ گل کر دیئے جبکہ اسی گھر کے تین افراد شدید زخمی ہوئے جن میں سے دو میمن اسپتال میں زیر علاج ہیں۔

اس بدنصیب گھر کے چار افراد اسی مقام پر جہاں دھماکہ ہوا بالترتیب ٹھیلہ لگا کر فروٹ فروخت کرتے تھے۔ اس دھماکے میں زخمی ہونے والے نذیر محمد جو کہ امام بخش کے بھائی ہیں اور خود بھی اسی مقام پر ٹھیلہ لگاتے تھے۔ نے بتایا کہ جب ہم لوگوں کو یہ اطلاع ملی کہ کپڑا مارکیٹ میں بم کا دھماکہ ہوا ہے تو ہم نے گھر واپس جانے کا ارادہ کیا اسی اثنا میں کپڑا مارکیٹ میں دھماکے کی اطلاع ہمارے گھر پر بھی پہنچ گئی اور میری بھابھی جنتو، جو کہ امام بخش کی زوجہ تھیں وہ بھی ٹھیلہ پر آگئیں اور کہنے لگیں کہ شہر میں بم کے دھماکے ہو رہے ہیں گھر چلو اسی وقت امام بخش کا بیٹا اکرم جو دھماکوں کی اطلاع سن کر گھر سے یہ کہہ کر نکلا تھا کہ کہیں کرفیو نہ لگ جائے میں ابا کو لے کر آتا ہوں میرے بھائی امام بخش کے ٹھیلہ پر آگیا۔ شاید وہ آٹے کے لیے پیسے لینے آیا تھا انہوں نے



چلیلی بازار کا زخمی ۔ فضل

بتایا کہ ہم ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ امام بخش کے ٹھیلے کے نیچے رکھا ہوا بم اپنی پوری طاقت سے پھٹا اور میرے سر میں چوٹ لگنے کے باعث میں بے ہوش ہو گیا جبکہ امام بخش بھائی کی دونوں ٹانگیں ان کے جسم سے الگ ہو کر دور جا گری ہیں۔ اور انہوں نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ بھابھی جنتو کا دھماکے سے پیٹ پھٹ گیا اور تمام اندرونی اعضاء روڈ پر بکھر گئے۔ میرے بھتیجے اور امام بخش کے لڑکے اکرم کا تمام تر جسم آگ میں جھلس گیا اور وہ بھی لقمۂ اجل بن گیا۔ بیٹے اسماعیل اور یاسین زخمی ہو گئے جس میں سے [illegible] یاسین کی حالت نازک ہے اور وہ صرف اشاروں سے بات کر سکتا ہے جبکہ اسماعیل کچھ بہتر ہے۔

اسی خاندان کے ایک فرد محمد اسلم جو کہ اس واقعہ کے عینی شاہد بھی ہیں انہوں نے بتایا کہ دھماکے سے کچھ دیر قبل میں ہلاک ہونے والے امام بخش کے ٹھیلے پر گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک گاہک دو کلو آم کے بائیس روپے دے گیا ہے اور یہ ڈبہ رکھ گیا ہے اگر وہ آئے تو تم دو کلو آم اور یہ ڈبہ اسے دے دینا۔ اسلم نے بتایا کہ شاید اسی ڈبے میں بم تھا میں انہیں کسی مزدوری کام کا بول کر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ زوردار دھماکہ ہوا۔ زخمی اسماعیل کی صاحبزادی اور امام بخش کی پوتی ستارہ نے سسکیوں کے ساتھ اپنے گھر کے لٹنے کی داستان سناتے ہوئے کہا کہ میرے والد اسماعیل اور بھائی یاسین دادا دادی اور میرے جوان چچا کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے منع کیا ہے کہ ان کی اموات کے بارے میں انہیں نہیں بتانا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ان سے کہا ہے کہ وہ کراچی کے اسپتال میں داخل ہیں مگر یقین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہمیں کراچی لے کر چلو جب ستارہ یہ درد بھری داستان سنا رہی تھیں تو وہاں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میری چھوٹی بہن نگہت جب سے یہ واقعہ ہوا ہے سکتے کی حالت میں پڑی ہے کسی سے کوئی بات نہیں کرتی دروازے پر بیٹھی ہے۔ بھائی آپ تو ہمارے گھر کی حالت دیکھو ہم بے بسی کا کیا عالم تھا ہمارا گھر ویران ہو گیا ہے۔ ہمارے گھر کے تین افراد ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ ہم اسماعیل اور یاسین کو کیسے بتائیں کہ وہ جن کے متعلق پوچھ رہے ہیں وہ ہم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔

جب اس بدنصیب گھر سے ایک وقت تین جنازے اٹھے تو کہرام مچ گیا ہر آنکھ اشکبار تھی لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ عورتیں قابو سے باہر ہوئی جا رہی تھیں ہر طرف سے چیخ و پکار اور رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آج یہ گھر ماتم کدہ بن گیا گھر کے افراد نے اپنے سر دیواروں سے ٹکرا دیئے کئی بے ہوش ہو گئے الغرض اس گھرانے کی تباہی پر آج موت بھی آنسو بہا رہی تھی۔

ظالم درندوں بے رحم قاتلوں کے وار کا نشانہ دس سالہ معصوم عذرا بھی بنی۔ ابھی یہ اپنی والدہ کی دوائی لینے میڈیکل اسٹور تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ موت نے اسے آلیا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے گئی۔ عذرا کے والد نے ابھی اپنی بربادی کی داستان شروع ہی کی تھی کہ دو معصوم بچیوں نے اپنے باپ سے سوال کر دیا کہ بابا عذرا باجی کہاں ہیں باپ نے اپنی دونوں معصوم بچیوں کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ایک باپ کی بے بسی پر کوئی آنکھ ایسی نہیں تھی جو بھیگی نہ ہو۔ عذرا کے والد نے بتایا کہ دھماکہ سے عذرا کا ایک بازو بیکار ہو گیا تھا اور کوئی چیز لگنے سے اس کی شہ رگ کٹ گئی تھی جبکہ اس کا جسم بم کے ذرات سے چھلنی ہو چکا تھا۔ دھماکہ سے وہ کئی فٹ اوپر اچھلی اور ایک کریانہ کی دکان پر رکھی ہوئی چاولوں کی بوری پر جا گری۔ ایک عینی شاہد غلام رسول عرف بابو جو کہ عذرا کو اٹھا کر لایا تھا۔ اس نے بتایا

کو عذرا کافی دیر تک زندہ رہی مگر ہمارا کا علاج کے باوجود کوئی گاڑی والا اسپتال کی طرف جانے کو تیار نہیں ہوا اور کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے عذرا نے دم توڑ دیا۔

حیدرآباد میں بموں سے ہونے والی یہ تباہی کسی ایک علاقے یا کسی ایک محلے تک محدود نہیں تھی بلکہ جگہ جگہ بم رکھنے والے درندے ہر گھر کو نذر سوگ دینا چاہتے تھے۔ مگر ان درندوں کو کراچی سے لاہور جانے والی کراچی ایکسپریس اور حیدرآباد کے پانچ اہم بلاک پر اتنی ہی کامیابی حاصل ہوئی جبکہ بتی بموں کو جو پھٹنے والے بموں سے زیادہ طاقتور تھے بم ڈسپوزل کے عملے نے ناکارہ بنا دیا۔

۲۷ مئی کے بعد سے پورا شہر فوج کے کنٹرول میں ہے شہر کے ہر اہم چوراہے پر پاک فوج کے جوان متعین ہیں گشت بھی جاری ہے۔ شہر کے تمام داخلی راستوں پر اور اندرون شہر سخت تلاشی ہو رہی ہے۔ ڈبل سواری پر پابندی عائد ہے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے مگر اس کے باوجود تخریب کاروں کا شہر میں اتنے بڑے پیمانے پر تباہی مچا دینا ایک معمہ ہے۔

ہر تخریبی واردات کے بعد اعلیٰ سطحی اجلاس منعقد ہوتے ہیں جو بیانات کا ایک جاری رہتے ہیں ۱۹ میں دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے اہم فیصلے کئے جاتے ہیں۔ چیف منسٹر آف سندھ کا آہنی ہاتھ والا بیان اخبار میں شہ سرخی کے ساتھ شائع ہوتا ہے جس میں قاتلوں کو کسی صورت معاف نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ صدر مملکت سے لیکر ہر وزیر اور حکمران پارٹی کے عہدیداران کے بیانات جاری ہوتے ہیں۔ بیانات کے مطابق ہر ایک کی آنکھ خون کے آنسو روتی ہے ہر ایک کا دل پھٹا جاتا ہے مگر ماہ ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد پھر مکرر کے طور پر حیدرآباد کے شہریوں کے ساتھ یہی خونی ڈرامہ رچایا جاتا ہے۔

حیدرآباد میں ہونے والے حالیہ بم کے دھماکوں کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جس روز بم کے دھماکے ہوئے اس روز سندھ کی ایک لسانی تنظیم جئے سندھ تحریک کے تحت پورے سندھ میں ہڑتال کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ ہڑتال سانحہ ۳۰ ستمبر حیدرآباد کے ایک بڑے مجرم اور جئے سندھ اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے مرکزی رہنما قادر مگسی کی رہائی کے لئے کی گئی تھی اندرون سندھ کے اکثریتی آبادی والے تمام علاقوں میں قوم پرستوں نے ہر چیز کو احتجاجاً بند کر دیا تھا اندرون سندھ جانے والی تمام ٹرانسپورٹ اس روز بند تھی۔ لیکن حیدرآباد واحد شہر تھا جہاں ہر ذی روح قانون نافذ کرنے والے اداروں کی زیر نگرانی متحرک اور فعال تھا۔ بازار کھلے ہوئے تھے۔ ٹریفک رواں دواں تھا۔ دوپہر ایک بجے تک یہ صورت حال رہی مگر ٹھیک ایک بجکر بیس منٹ پر بموں کے دھماکوں نے قیامت برپا کر دی۔ حیدرآباد کے ایک مقامی اخبار کے مطابق ۱۴ جولائی کو جئے سندھ تحریک کا ایک نمائندہ جب ہڑتال کی خبر دینے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا ایم کیو ایم آپ کے ساتھ ہے کیا ۱۵ جولائی کو حیدرآباد بھی بند ہوگا۔ تو اس نے کہا کہ ایم کیو ایم ہمارے ساتھ نہیں مگر آپ دیکھ لیجئے گا کہ کل حیدرآباد بھی بند ہوگا بلکہ مکمل بند ہوگا، بموں کے دھماکوں سے کچھ روز

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

بقیہ: سیمینار

کے ایجنٹوں نے پھیلائے ہیں ہمیں کوشش کرنا چاہیئے کہ اس ملک میں جمہوریت کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے امن قائم و دائم رہے۔ امن کی تباہی کی وجہ سے ہماری صنعتیں تباہ ہو گئیں۔

محمد احمد صدیقی:

ہمارے سندھی بھائیوں نے قیام پاکستان کے وقت جس اخلاص کا مظاہرہ کیا تھا اور جس جذبہ سے ہندوستان کے مسلمان یہاں آئے تھے اگر دونوں باقی رہتے تو یہ کشت و خون نہ ہوتا۔ انہوں نے کہا ہماری قومیت مسلم قومیت کو مارشل لاء کے حکمرانوں نے تار تار کر دیا۔ سندھ میں دو گروہوں کو آپس میں متصادم کرایا۔ جس کی وجہ سے نفرتیں پروان چڑھیں سندھ میں ایک استحصالی طبقہ پہلے ہی سے موجود ہے یہ طبقہ بڑا ہی زور آور ہے بہت ہی طاقتور ہے۔ وڈیروں نے غریب ہاریوں کا استحصال کر رکھا ہے ان سے جبری مزدوری کراتے ہیں اور پشتی ملازم رکھتے ہیں۔ اندرون سندھ لوگ سیاسی طور پر پسماندہ ہیں یہی وجہ ہے کہ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی دادا کی نشست پوتے کو ورثہ میں چلی جاتی ہے۔ یہ استحصالی طبقے سادہ لوح سندھیوں کے رجحان کو موڑنے کے لئے سندھ کے شہروں کی رونق کی بات کرتے ہیں۔ محمد احمد صدیقی نے کہا کراچی میں رونق اس لئے ہے کہ یہاں کوئی وڈیرہ نہیں رہتا۔ اگر یہاں کوئی وڈیرہ رہتا تو یہاں بھی وہی ویرانی ہوتی جو دیہاتوں میں پائی جاتی ہے۔

سیمینار میں جو قراردادیں منظور ہوئی ہیں ان کے مطابق شرکاء سیمینار نے زور دیا ہے کہ فوج کو آئین کے مطابق، سول انتظامیہ کی ہدایات کے تحت کام کرنا چاہئیے۔ اور امن بحال کرنے کے لئے سول اتھارٹی کی مدد کرنا چاہیئے۔

پارلیمانی جمہوریت کا دفاع کرتے ہوئے شرکاء نے کہا کہ ریاست کے تمام شعبوں کو پارلیمنٹ کے لئے عوامی مینڈیٹ کا لحاظ رکھنا چاہیئے کیونکہ پارلیمنٹ ریاست کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے۔

شرکاء ... میں سے بعض کا خیال تھا کہ فوج کو انتظامیہ کی مدد اس وقت تک کرنا چاہیئے جب تک اس کی ضرورت ہے تاہم اتفاق رائے اس امر پر ہو سکا کہ فوج کو سول انتظامیہ میں ممکنہ مختصر ترین عرصے کے لئے ملوث کیا جائے

شرکاء کا عام خیال یہ تھا کہ فوج کا سول انتظامیہ میں ملوث رہنا نہ سول انتظامیہ اور نہ ہی فوج کے لئے مناسب ہے۔ سول انتظامیہ کو اپنی سیاسی طاقت پر انحصار کرنا چاہیئے۔ اور فوج کو ریاستی معاملات سے دور رہنا چاہیئے اور اپنی اہم ذمہ داری دفاع پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہیئے۔

شرکاء سیمینار نے متفقہ طور پر یہ سفارش کی کہ سندھ کی تاریخی ثقافتی شناخت کو برقرار رکھا جائے شرکاء نے سیاسی جماعتوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے حامیوں کو غیر مسلح کرنے کے لئے سنجیدگی سے کوشش کریں۔ کیونکہ شرکاء کو معلوم ہے کہ غیر قانونی ناجائز اسلحہ وسیع پیمانے پر سندھ کے بہت سے گروہوں کے ارکان کے ہاتھوں میں ہے انہوں نے سفارش کی کہ جن لوگوں کے پاس سے ناجائز اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ ان کے ناموں کو ظاہر کیا جائے۔ انہوں نے پر زور مطالبہ بھی کیا کہ ناجائز اسلحہ کی بازیابی کے لئے کوئی حتمی تاریخ مقرر کی جائے۔

صوبے کے لوگوں کی احساس محرومی اور بیروزگاری کو ختم کرنے کے لئے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جائے

سیمینار کے شرکاء نے عوام پر زور دیا اور خاص طور سے سیاسی افراد سے پر زور مطالبہ کیا کہ وہ اشتعال انگیز بیانات اور مشتعل کرنے والی زبان استعمال نہ کریں۔

حکومتوں کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرنے والے علما اور مشائخ کو

مولانا نورانی بیس سال سے

اُن کے فرائض یاد دلا رہے ہیں



واشہ سرور پر نور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتی ہے لیکن اس کے باوجود چودہ صدیوں میں دین کی کاملیت کا تصور ہمارے قلب و دماغ میں ابھی تک نہیں بیٹھ سکا۔ ہم اب بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں درپیش مسائل کے حل کے لئے اپنے پسندیدہ مفکرین کے افکار سے راہنمائی لیتے ہیں جب کہ قرآن حکیم کا یہ فرمان بھی چودہ صدیوں سے ہمارے سامنے ہے کہ اے مسلمانو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ تو آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ دوئی کیوں ہے کیا ہمیں اپنے دین کی صداقت پر یقین نہیں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس دوئی کو یعنی دین اور دنیا کے فرق کو مٹا دیا تھا اور ایسے افراد تیار فرمائے جو عام زندگی سے لے کر حکومتی ایوانوں تک راہنمائی کرتے رہے خلافت راشدہ کے فوراً بعد دین و سیاست جدا ہو گئے کیونکہ اسی میں ملوکیت کا مفاد تھا۔ ملوکیت صرف اسی صورت میں چل سکتی تھی کہ دین اور سیاست کو جدا کر دیا جائے۔ صالح باکردار افراد کو اقتدار سے دور کر دیا جائے۔ بلکہ اقتدار کے دروازے صلحاء پر بند کر دیئے جائیں اور اہل دین کا اقتدار یا سیاست سے کیا تعلق۔ اس تصور اور فکر کو اس قدر عام کیا جائے کہ علماء و مشائخ اقتدار کا نام

تحریر: عامر رضا

لیتے ہوئے بھی شرما جائیں۔ اسی طریقہ واردات سے ملوکیت نے اپنے پنجے جمائے ملوکیت کو یہ تمام تصورات صلیبیوں نے فراہم کئے۔ یزید کے برسر اقتدار آتے ہی اسلام کا سیاسی نظام خطرے میں پڑ گیا کیونکہ ظہور اسلام کے بعد یہ پہلا واقعہ تھا اب دو راستے تھے یا تو یزید کو خاموشی سے برداشت کر لیا جائے یا اس کی حکومت کو چیلنج کیا جائے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے دوسرا مشکل راستہ اختیار کیا اور اپنی عظیم الشان قربانی سے یہ ثابت کیا کہ اقتدار صالح افراد کا حق ہے۔ کوئی فاسق فاجر مسلمانوں میں امارت کا حقدار نہیں بن سکتا اور اگر کوئی ایسا شخص بزور شمشیر اقتدار پر قبضہ کر لے جو مسلمانوں کے مشورے یا ان کے حق رائے دہی کے بغیر ان پر مسلط ہو گیا ہو تو اس کی حکومت معزول کرنے کے قابل ہے اسے تحریک اور رائے عامہ کے دباؤ کے ذریعے اقتدار سے ہٹایا جائے گا یہ وہ واضح تصورات تھے جو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریک کے ذریعے امت کو دیئے لیکن ملوکیت ان تصورات کو پروان چڑھتے نہیں دیکھ سکتی تھی ظالم بادشاہوں نے اپنے زر خرید واعظین کے ذریعے امت کو غم حسینؓ میں رونے پیٹنے میں لگوا دیا۔ تاکہ لوگ روتے رہیں اور بادشاہوں کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ وہ کیا کر رہے ہیں آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی اس واقعہ سے ہم اپنی زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکے۔ کیونکہ ہمیں علماء و مشائخ نے اس قربانی کے مقاصد سے آگاہ نہیں کیا بلکہ ہمیں واقعات شہادت کے بیان سننے میں لگائے رکھا جس کے نتیجے میں ظالم آمریتیں ہم پر تیرہ صدیوں سے مسلط ہیں۔ ہم جمہوریت اور آزادی فکر کی تحریکوں کو مغربی افکار اور مفکرین کے نتیجہ فکر سے چلاتے ہیں۔ حالانکہ جمہوریت کے لئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان قربانی ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے اس میں قصور کس کا ہے؟ کس نے ہمیں فکر حسینی سے ہمیشہ دور رکھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یہ قربانی دین و سیاست کی جدائی کے فرق کو مٹانے کے لئے تھی لیکن کچھ علماء نے دین و سیاست کو عملاً تیرہ صدیوں سے جدا کر رکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح العقیدہ علماء و مشائخ نے اس فرق کو مٹانے کی

ہمیں علماء و مشائخ نے اس قربانی کے مقاصد سے آگاہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیں واقعات شہادت کے بیان سننے میں لگائے رکھا

ترک دنیا کا غیر اسلامی فلسفہ اس شدومد سے پھیلایا گیا کہ بے شمار باصلاحیت افراد نے امور سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی

ہر دور میں جدوجہد کی لیکن ملوکیت پرست علماء و مشائخ نے ان کی تحریکوں کو ناکام بنا دیا آج ہم سب اسلام کے سیاسی نظام سے ناواقف ہیں کیونکہ مشائخ صدیوں سے اپنے شجروں میں، وصیت ناموں میں یہی پیغام دے رہے ہیں کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ محراب و منبر سے صدیوں سے فکر آخرت اور اخلاق کی درستی پر تقریریں تو ہو رہی ہیں لیکن اسلام کا سیاسی نظام کیا ہے۔ حکمران کی شرائط کیا ہیں ایسے سوالات پر یہاں سے کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ جواب ملتا ہے تو یہی کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اصل بات یہ ہے کہ جب سے تصوف میں غیر اسلامی افکار شامل ہوئے ہیں ان افکار کا بادشاہوں نے خیر مقدم کیا اور انہیں افکار کو پھیلانے میں ظالم حکمرانوں نے اہم کردار ادا کیا۔ علماء و مشائخ نے بھی دین کے سیاسی پہلو سے پہلوتہی اختیار کئے رکھی۔ جس کے نتیجے میں ترک دنیا کا غیر اسلامی فلسفہ اس شدومد سے پھیلایا گیا کہ صدیوں سے بے شمار باصلاحیت افراد نے خود بخود امور سیاست و مملکت سے علیحدگی اختیار کر لی علماء و مشائخ نے بھی انہیں اقتدار سے دور رکھنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ملوکیت بھی یہی چاہتی تھی وہ صدیوں سے عوام کا خون چوستے رہے۔ اور اب بھی چوس رہے ہیں اب بھی علماء و مشائخ سے جب درخواست کی جاتی ہے کہ آیئے حکمرانوں اور سرمایہ پرستوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف جدوجہد کریں۔ غریب اور مظلوم عوام کی رہنمائی فرمایئے تو ان کا جواب اب بھی یہی ہے کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ سیاست دنیاداروں کا کام ہے ہم تارک الدنیا ہیں علماء و مشائخ کے لئے علم اور دین و سیاست کی جدائی نے جو حقیقتاً علماء و مشائخ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ پاکستان کو سرمایہ داروں کی آغوش میں دھکیل دیا کہ وہ جس طرح چاہیں حکومت کریں۔

علماء کی کثیر تعداد ہمیشہ سرمایہ پرستوں کے ہاتھوں میں کھیلتی رہی ہے۔ وہ دنیاداروں کو حکومت کرنے کا ازلی و ابدی سرٹیفکیٹ جاری کرتے رہے ہیں علماء دنیاداروں کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب برصغیر پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ تو علماء کے ایک طبقے نے انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع منصب و مقام سے متعلق نازک سوالات چھیڑ ڈالے اور گلی کوچوں میں مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مناظروں میں مشغول ہو گئے یاد رہے کہ یہ سب کچھ زوال کے دور میں ہوا یا ہو رہا تھا۔ تاریخ کے طالب علم سے یہ حقیقت چھپی نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی نبوت کی تشکیل میں برطانوی دماغوں نے جو کردار ادا کیا وہ تو ہے ہی لیکن سب سے بدترین کردار ایک عالم نے "تحذیر الناس" نامی کتاب لکھ کر مرزا کی نبوت کے لئے علمی و فکری دلائل فراہم کئے۔ چشم فلک نے دین فروشی کا یہ رسوا کن منظر نہیں دیکھا ہوگا۔ صاحب تحذیر الناس نے ختم نبوت کے حتمی و قطعی عقیدے کو جاہلوں کا عقیدہ قرار دے دیا۔ آج بھی مرزا اور اس کے امت کے لئے "تحذیر الناس" صحیفہ کا درجہ رکھتی ہے۔

ان مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کو توفیق عطا کی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو برطانوی دماغوں اور دین فروش علماء و مشائخ سے بچانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ امام احمد رضا خانؒ نے برصغیر کے مسلمانوں میں دین کی کاملیت کا تصور اجاگر کیا اور علماء و مشائخ کو سرمایہ داروں کا آلۂ کار بننے سے روکا۔ آپ کی عظیم الشان تحریک کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمان بہت بڑی تباہی سے بچ گئے۔ امام احمد رضا خانؒ نے دین و سیاست دونوں شعبوں میں علمی و فکری راہنمائی کی دو قومی نظریے کی تجدید فرمائی جس پر آگے چل کر قیام پاکستان کی تحریک برپا ہوئی۔ تحریک پاکستان میں بھی امام احمد رضاؒ کے متبعین مخلصین خلفاء و تلامذہ نے مثالی کردار ادا کیا۔ اور انگریز اور ہندوؤں کے زرخرید علماء کا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن اس حقیقت کا اظہار بڑے دکھ کے ساتھ کرنا پڑتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد استحکام پاکستان اور اسلامی انقلاب کی مختلف تحریکوں میں امام احمد رضا خانؒ کے پیروکار علماء نے وہ شاندار کردار ادا نہیں کیا جو ان کے اسلاف کا طرۂ امتیاز رہا ہے اہل سنت کے علماء و مشائخ سرمایہ داروں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر گزشتہ بیالیس سال سے سیاست سے لاتعلق ہیں۔ اور حکمران کو لانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں لیکن پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد میں ان کی کارکردگی کا معیار قابل رشک نہیں رہا۔ اسمبلیوں میں ان کے معتقدین ہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ جو انہیں کی امداد و تعاون سے اسمبلیوں میں پہنچتی ہے لیکن یہ علماء و مشائخ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے غافل ہیں سرمایہ داروں کے تمام گروپس اور ان کی جماعتیں یہ چاہتی ہیں کہ ملکی قیادت کسی راسخ العقیدہ اور باعمل عالم کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے اگر ایسا ہو گیا تو سرمایہ پرستی کا سفینہ ہمیشہ کے لئے ڈوب جائے گا۔ بیالیس سال سے سرمایہ دار نظام انتخاب کو اس قدر مشکل بنا رہے ہیں کہ کوئی ایماندار شخص اسمبلی میں پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سرمایہ دار سیاست کو کاروبار بنا چکے ہیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ امام احمد رضا خانؒ کے پیروکار علماء سرمایہ داروں کے آلۂ کار بن چکے ہیں دینی سیاست دم توڑ رہی ہے دینی قیادتیں مایوسی کا شکار ہو گئی ہیں لیکن ہمارے علماء سرمایہ پرستوں سے اسلامی انقلاب کی توقع وابستہ کئے ہوئے ہیں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر علماء و مشائخ اہل سنت دینی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلامی انقلاب کی جدوجہد کیوں نہیں کرتے۔ جب کہ ایک باوقار پلیٹ فارم جمعیت علماء پاکستان کی شکل میں موجود ہے اور مولانا شاہ احمد نورانی جیسی عظیم دینی قیادت بھی موجود ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ علماء محض ذاتی مفادات کے لئے بیالیس سال سے عوام کا خون چوسنے والے افراد کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور اپنی بے عملی سے پاکستان میں انقلاب کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اہل سنت کے علماء و مشائخ کا یہ بہت بڑا جرم ہے جسے تاریخ کبھی معاف

علماء کی کثیر تعداد ہمیشہ سرمایہ پرستوں کے ہاتھوں میں کھیلتی رہی

نہیں رہے گی۔ اب بھی وقت ہے کہ علماء و مشائخ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور پاکستان میں برسر اقتدار سرمایہ دار گروہوں کی جنگ زرگری میں فریق نہ بنیں ان گروہوں سے اپنی تقدیریں وابستہ نہ کریں اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی قیادت میں متحد ہو کر نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی پُرخلوص جدوجہد کریں تو چند ہی سالوں میں پاکستان کے بے کس اور مظلوم عوام اپنی منزل کو پالیں گے۔ پاکستان اسلامی انقلاب کا گہوارہ بن جائے گا۔ اور سرمایہ پرستی کا سفینہ ہمیشہ کے لئے ڈوب جائے گا۔

پاکستان میں علماء و مشائخ کے لئے یہ بات باعث افتخار ہے کہ ان میں مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی موجود ہیں جو پاکستان میں بیس سال سے انقلابی جدوجہد کر رہے ہیں ان کی زندگی کا ہر لمحہ غلبۂ اسلام میں صرف ہو رہا ہے ایسی پاکیزہ اور صالح قیادت پاکستان تو کیا پورے عالم اسلام میں بھی نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت سے ہم آنکھیں بند نہیں کر سکتے کہ ابھی تک مولانا کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس میں مولانا کا کوئی قصور معلوم نہیں۔ بلکہ ان کی ناکامی

سرمایہ کاروں کی جماعتیں یہ چاہتی ہیں کہ ملکی قیادت کسی راسخ العقیدہ باعمل عالم کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے

کے ذمہ دار وہ با اثر علماء و مشائخ اہل سنت ہیں۔ جو سرمایہ داروں کو برسر اقتدار لانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں علماء و مشائخ کے ان با اثر گھرانوں نے مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر اب تک نہیں اٹھا رکھی یہاں مولانا کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ بڑی پامردی سے حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور گذشتہ انتخابات میں ناکامی کے باوجود ان کی مثالی شخصیت ان آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ دینی و سیاسی افق پر ابھری ہے اور وہ اب پاکستان میں برسر اقتدار سرمایہ داروں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ مارشل لاء کے دور میں مولانا کی جماعت میں جو توڑ پھوڑ حکمران طبقے نے کی اسی حکمران طبقے کے وارث پنجاب کے مارس ڈیلر مولانا کی سیاسی قوت کو منتشر کرنے میں دن رات مشغول ہیں۔ کیونکہ مولانا کی سیاست میں موجودگی دونوں برسر

مولانا نورانی کی قیادت میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی پُرخلوص جدوجہد کریں، چند سالوں میں مظلوم عوام اپنی منزل پالیں گے،

اقتدار گروہوں کے لئے خطرے کا الارم ہیں۔ اس لئے دونوں برسر اقتدار گروہ مولانا اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ سے اپنے تعلقات بڑھانے میں مصروف ہیں مولانا بیس سال سے حکومتوں کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرنے والے علماء و مشائخ کے آستانوں پہ حاضر ہو کر انہیں ان کے فرائض یاد دلا رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک ان خاندانوں نے ان کی اپیل پہ لبیک نہیں کہا۔ ان حوصلہ شکن حالات میں مولانا اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ پاکستان کے سرمایہ دار مولانا سے انتقام لے رہے ہیں۔ سرمایہ دار گروہوں نے اخبارات کو خرید لیا ہے۔ نوائے وقت مولانا کی تصویر تو الگ رہی اب ایک سطری خبر بھی لگانے کے لئے تیار نہیں اخبارات کے مالکان مولانا سے خائف بھی ہیں اور انہیں ان کی غریبی اور حب الوطنی کی سزا بھی دے رہے ہیں کیونکہ ان اخبارات کے مالکان کو نہ تو اب مولانا کچھ دے سکتے ہیں اور نہ ہی اقتدار پر آنے کے بعد دیں گے۔ اسی لئے یہ اخبارات پوری قوت سے ان کا راستہ روک رہے ہیں۔ اخبارات سرمایہ پرستوں کے آلہ کار بن کر مجرموں، دہشت گردوں کو ہیرو بنا رہے ہیں لیکن وہ مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کا بیان یا ان کی خبر لگانا حرام سمجھتے ہیں یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ تمام غیرملکی اور اندرونی قوتیں اس بات کو بخوبی سمجھتی ہیں کہ مولانا کے سوا کوئی بھی یہاں اسلام کا نفاذ نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس شخص کو اقتدار پر نہ آنے دیا جائے۔ جو نفاذ اسلام میں مخلص ہو۔

اسلام کے نام پر منافقت کرنے والے تمام گروہ بھی مولانا کے دشمن ہیں اس لئے کہ وہ منافقت کی سیاست نہیں کرتے لسانی دہشت گرد ان کی جان کے درپے ہیں۔ اس لئے وہ ملت کو قومیتوں اور نسلوں میں بانٹنے والوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں مختصر یہ کہ علماء و مشائخ تمام صنعتی و سرمایہ دار گروپس پوری قوت سے ان کا راستہ روک رہے ہیں مفاد پرست علماء و مشائخ بیس سال سے ان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں ہمیشہ سرمایہ داروں کی حمایت کے لئے حجروں سے نکلتے ہیں اور جے یو پی کے امیدوار کو ناکام بناتے ہیں۔ اس طرح یہ تمام طبقے اسلامی انقلاب کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ ان حالات میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار علماء و مشائخ سے خدا اور رسول ﷺ کے نام پر اپیل ہے کہ کیونکہ پاکستان میں اہل سنت کی غالب اکثریت ہے لہٰذا انقلاب اسلامی لانا ان کے دینی فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے فرائض کو پہچانیں اور سرمایہ داروں کے ان دونوں گروہوں کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں اپنی آنکھ، غریب عوام کا خون چوسنے والے افراد سے" ہٹا دیں۔ بلکہ مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کریں۔ جونہی وہ ان کی قیادت میں جمع ہوں گے۔ انشاء اللہ پاکستان کی تقدیر بدل جائے گی اور پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔

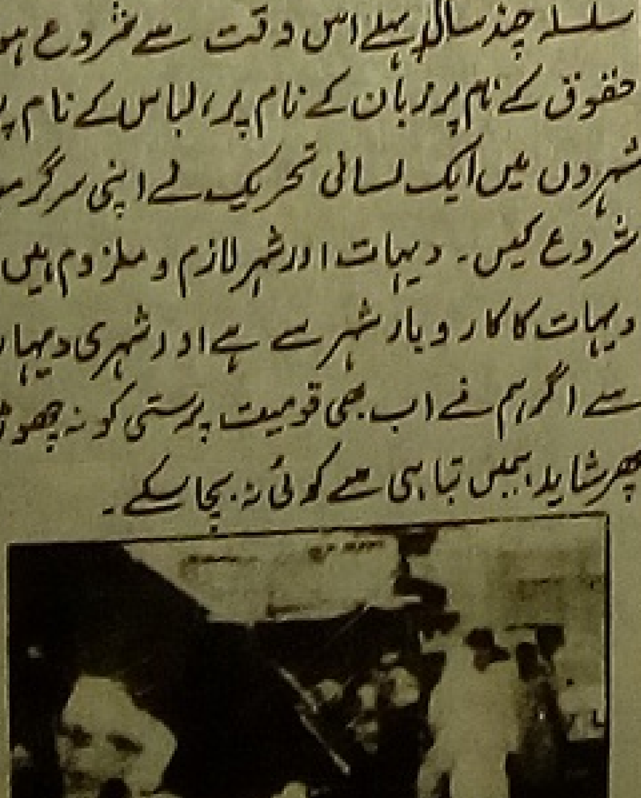
اے گروہ علماء و مشائخ!

اس سے قبل بھی آپ ۱۹۷۰ء کی ملتان کانفرنس اور ۱۹۷۹ء کی رائے ونڈ کانفرنس میں مولانا کی قیادت پر اتفاق کر چکے ہیں۔ خدارا اپنی روایت کو نہ بھولیے اور مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت کے پرچم تلے جمع ہو کر اس ملک کو نظام مصطفیٰ ﷺ کا گہوارہ بنایئے یہ آپ کا دینی فریضہ بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔

بقیہ: حیدرآباد

قبل ایک وفاقی وزیر کی طرف سے یہ بیان جاری ہوا تھا کہ حیدرآباد میں موجود قلعہ کو بم سے اڑا دیا جائے ابھی ان کے اس بیان کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ تخریب کاروں نے پورے شہر کو بم کے دھماکوں سے لرزا دیا۔

بہرکیف اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ حیدرآباد اور کراچی میں خونی فسادات کا سلسلہ چند سال پہلے اس وقت سے شروع ہوا جب حقوق کے نام پر زبان کے نام پر، لباس کے نام پر، شہروں میں ایک لسانی تحریک نے اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ دیہات اور شہر لازم و ملزوم ہیں۔ دیہات کا کاروبار شہر سے ہے اور شہری دیہات سے اگر ہم نے اب بھی قومیت پرستی کو نہ چھوڑا تو پھر شاید ہمیں تباہی سے کوئی نہ بچا سکے۔



ملک اندھیرے کی گہرائیوں میں جا رہا ہے

لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ کے ایم اظہر کا بے لاگ تجزیہ

آج تمام قوم ذہنی کشمکش اور نفسیاتی دباؤ میں الجھی ہوئی ہے کسی بھی سماجی یا دوسری تقریب میں جائیں تو ہر چہرے پر مایوسی اور افسردگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور ان کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ صاحب اقتدار جماعتیں ملک و قوم کو کس سمت لے جانا چاہتی ہیں ایسے اجتماعات میں اکثر مجھ سے دریافت کیا جاتا ہے کہ سیاست میں تازہ ترین حالات کیا ہیں؟ پھر سوالات کی بوچھاڑ یوں ہوتی ہے!

کیا سیاسی جماعتوں میں باہمی کشمکش اور محاذ آرائی ختم ہو جائیگی؟ کیا مرکز اور صوبے میں آئین کے تحت اپنے فرائض کی بجا آوری میں باہمی تعاون نہیں کر سکتے؟ کیا رشوت ستانی کی لعنت ختم نہیں ہو سکتی؟ کیا ہم ملک کی تقسیم کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں؟ کیا فوج پھر مداخلت کا سوچ رہی ہے، کیا؟ ہندوستان کے ساتھ جنگ ہو گی؟ حکومت کشمیر کے مسئلہ پر نرم پالیسی کیوں اختیار کئے ہوئے ہے؟ کیا ہماری حکومت نے افغانستان کی قسمت کا فیصلہ دو بڑی طاقتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے؟ کیا حکومت مسئلہ کشمیر پر بھارت کی دھمکیوں سے مرعوب ہو گئی ہے اور گاہے بگاہے لوگوں کو خوش رکھنے کے لئے بیان جاری کر دیتی ہے اور ہندوستان کی دھمکیوں کے خوف سے تمام کشمیری کیمپوں کو بند کر دیا گیا ہے؟ کیا ہم کشمیری حریت پسندوں کو ہندوستان کے ظلم و استبداد پر چھوڑ رہے ہیں؟ اس طرح کے بہت سے ایسے دوسرے سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ اور ہر شخص کو ہر روز صبح اخبار دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ آزادی کے بیالیس سال کے بعد ہم ابھی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور ملک و قوم کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن نہیں کر سکے جس کا ہم نے ان سے تحریک آزادی کے وقت وعدہ کیا تھا، ہماری جمہوریت کی طرف جستجو بہت حد تک کم رہی ہے گیارہ



صاحب مضمون

> مجھے ابھی تک یاد ہے کہ جب ۲۳ مارچ ۴۰ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو کس طرح برصغیر کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

سال بعد جمہوریت کی بحالی ایک دوسرے بحران کی طرف لے جا رہی ہے اگر ہم محتاط نہ ہوئے تو اس کا انجام خوفناک ہو گا۔

پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی بہت سی قربانیوں اور مشترکہ کوششوں سے معرض وجود میں آیا۔ برصغیر کے مسلمان جو تحریک پاکستان میں ہراول دستہ کے طور پر کام کر رہے تھے، امید کرتے تھے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ایک ایسا معاشرہ قائم ہو گا جس کی بنیاد اسلامی شعائر پر قائم ہو گی جہاں قرآن و سنت کی حکمرانی ہو گی اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل پائے گا ہر شخص کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے گا۔ جہاں دوسروں کا حق غصب کرنے والی کوئی جماعت نہیں ہو گی، ایک ایسا ملک جس میں ہر شخص کے حقوق کو تحفظ ملے گا۔ اور ہر شخص کی احتیاج کو پورا کیا جائے گا، لیکن بدقسمتی سے قائداعظم اور قائد ملت کی وفات کے بعد ایسے خود غرض اشخاص اقتدار میں آگئے جنہوں نے قوم کو مخصوص راستہ سے موڑ دیا۔

قوم ابھی تک ان خود غرض اور مطلب پرست سیاستدانوں سے نالاں ہے جنہوں نے ہمیشہ اپنے ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی، یہی وہ لوگ ہیں جو ملک میں تین مارشل لاء لانے کے ذمہ دار ہیں اور نفرت اور بے اعتمادی کے بیج بوئے اور ملک کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اب وہی عناصر پھر ملک کو تقسیم کرنے کی سازش میں مصروف ہیں۔

مندرجہ بالا بات سے یہ مفروضہ اخذ کرنا غلط ہو گا کہ قوم ہمیشہ یاس و ناامیدی کے بھنور میں رہی ہے ہمیں بلاشبہ مسرت و شادمانی کے دن بھی نصیب ہوئے جو کچھ عرصہ کی محرومی و مایوسی کے بعد آئے مجھے ابھی تک یاد ہے کہ جب ۲۳ مارچ کو (منٹو پارک) موجودہ اقبال پارک میں قرارداد لاہور جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی کس طرح سے برصغیر کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اس دن قائداعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کو پرجوش اور ولولہ انگیز پیغام دیا کہ اٹھو مستعد ہو جاؤ! ہندوستان کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے اکثریتی صوبوں میں مسلمان ریاست قائم کرنے کے لیے آگے

ہوا جس جوش سے یہ اعلان سنا گیا اور اس پر عمل پیرا ہونے سے ہندوؤں اور انگریزوں کی مشترکہ مخالفت کے باوجود ہمارے مطالبات منظور ہوئے۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آنے کا مژدہ سنایا گیا۔ تو برصغیر کے تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور ناقابل بیان احساس تشکر سے سجدہ ریز ہو گئے ہمارے فخر کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم اس نوزائیدہ ریاست پاکستان کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمان جنہوں نے اپنے عزیز و اقارب کی جانیں قربان کر دیں اپنے خوابوں کے ملک پاکستان میں میلوں پیدل چل کر آئے اور جب اس سرزمین پر پاؤں رکھے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تشکر کے طور پر سر جھکا دیے کہ وہ اپنے خوابوں کے ملک میں بخیر و عافیت پہنچ گئے ہیں، ان کی دلچسپی اس میں مضمر تھی کہ ان کی شناخت بنگالی، بلوچی، سندھی اور پنجابی کے طور پر نہ ہو بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی شناخت پاکستانی کے طور پر ہو اس وقت میں "بنوں" میں تھا اور "بنوں" کے قلعے سے یونین جیک کا جھنڈا اتارنے اور پاکستان کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز حاصل ہوا اور اعلان کیا کہ یہ سرزمین اب مسلمانوں کی ہے وہ دن اور آنے والے دن فرحت و شادمانی امید و خواہشات اور قرون اولیٰ کے دن تھے کہ ہم اس پاک وطن کی اسطرح آبیاری کریں گے کہ اس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی یہ ایک ایسا وطن ہو گا جس میں ہر آدمی کی ضرورت پوری ہو گی اور ہر شخص کا حق اور اس کی عزت محفوظ ہو گی۔

مجھے وہ بھی صدمہ جانکاہ کا دن یاد ہے جس روز قائداعظم محمد علی جناح "بابائے قوم" رحلت فرما گئے اور پوری قوم کو رنج و غم کی وادیوں میں چھوڑ گئے اس روز ہر شخص کے چہرے پر یاس و ناامیدی نمایاں تھی لیکن قائد ملت خان لیاقت علی خان کی پرعزم اور مہربان شخصیت موجود تھی جس نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کے دست راست کے طور پر کام کیا تھا، قوم کو محرومی کی عمیق گہرائیوں سے نکالا اور ایک دفعہ پھر امید کی کرن پیدا ہوئی اور عوام کا محنت اور دلجمعی سے کام کرنے کا جذبہ دیدنی تھا اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں ہندوستان نے اپنی افواج پاکستان کی سرحدوں پر جمع کر دیں اور حملہ کرنے کی دھمکی دی تو قائد ملت نے اپنی مٹھی سے ہندوستان کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی اس احمقانہ حرکت سے باز رہے کیونکہ تمام قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمن کو سبق سکھانے کے لیے متحد ہے اسی روز ہر پاکستانی نے اپنا سر فخر سے بلند کیا اور مادر وطن کا دفاع کرنے کے لیے خون کا ہر قطرہ بہانے کا عزم کیا لیکن ایک قاتل کے ہاتھوں قائد ملت کی موت قوم کے لیے ایک عظیم صدمے کا باعث بنی اور قوم کو ایک دفعہ پھر غم و اندوہ کی گھاٹیوں میں دھکیل دیا۔ لیکن قائد ملت نے جو اعلیٰ مثال قائم کی تھی اسکے مطابق عوام نے دوسرے قائدین کی طرف صحیح راہنمائی کیلئے دیکھنا شروع کیا لیکن مسلم لیگی راہنماؤں کی آپس میں لڑائی کی وجہ سے مایوسی سے دوچار ہوئے اس موقع سے نوکرشاہی کے کارندوں نے جس میں غلام محمد اور اسکندر مرزا بھی شامل تھے، نے ناجائز اٹھاتے ہوئے اقتدار

> میری رائے میں فوج کو سول انتظامیہ
> کی مدد کے لئے کبھی طلب نہیں
> کرنا چاہئے۔
> البتہ جب سول انتظامیہ بالکل
> غیر موثر ہو جائے تو فوج کو
> آخری حربے کے طور پر طلب کرنا چاہئے

کی باگ ڈور سنبھالی، اور قوم کو صحیح راستے کی بجائے نشیب کی گہرائیوں میں دھکیل دیا، وزارتیں بعد وزارت تبدیل ہوتی گئیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے قوم پر اس وقت کے راہنماؤں سے اس قدر مایوسی طاری تھی کہ جب سکندر مرزا کی مدد سے ایوب خان برسر اقتدار آیا تو اس کا قوم کے نجات دہندہ کے طور پر خیر مقدم کیا گیا اگرچہ اسکے دور میں ملک میں ترقی کا دور دورہ تھا عزت و آبرو محفوظ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ہردلعزیزی میں اضافہ ہوا لیکن ایک چیز عیاں تھی کہ وہ ایک غاصب تھا۔

۱۹۵۶ء کا آئین پاس ہونے کے بعد جب عام انتخابات ہونے والے تھے اس نے مارشل لاء نافذ کر کے جمہوری عمل کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس کا طویل اقتدار سیاسی بلاطین پر محیط تھا اپنے مفاد کی خاطر انہوں نے کنٹرولڈ جمہوریت نافذ کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنے اقتدار کو دوام بخش سکیں، اسی کوشش سے اس کا زوال شروع ہوا۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جب اس نے مارشل لاء نافذ کیا تو اسے قوم کا نجات دہندہ قرار دیا گیا اور پھر ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب اس نے قوم سے تاریخی خطاب کیا تو قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا، انہوں نے قوم سے کہا خواہ کچھ بھی ہو ہندوستان کے حملے کا مقابلہ کرنا ہے انہوں نے کہا کہ ہندوستان نے حملے کے لیے لاہور کے شہریوں کو منتخب کیا ہے کہ وہ دشمن کے پہلے وار کا مقابلہ کریں ان کا نام تاریخ میں کندہ رہے گا کہ انہوں نے دشمنوں کو تباہ کرنے کے لئے کاری ضرب لگائی، پاکستان کے دس کروڑ عوام جن کے دل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ورد سے دھڑکتے ہیں وہ آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہندوستان کی توپیں ہمیشہ کے لیے خاموش نہ ہو جائیں ۲۵ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ الفاظ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں ان کی جذبات سے بھرپور تقریر نے افواج کو جوش اور ولولہ ہی نہیں دیا بلکہ اس سے پوری قوم ہندوستان کے حملے کو پسپا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی تاکہ ان کے ناپاک عزائم کو ملیامیٹ کر سکے اس جوش و جذبے سے خوفزدہ ہو کر ہندوستان اقوام متحدہ سے لڑائی بند کرانے کی اپیل پر مجبور ہو گیا جلد ہی یہ خوشی مایوسی میں تبدیل ہو گئی، جب جنگ بندی تسلیم کر لی گئی اور معاہدہ تاشقند پر دستخط ہو گئے۔

جنرل ایوب نے قوم کو پھر مایوس کیا جب ۱۹۶۸ء میں دس سالہ دور ترقی کا جشن وسیع پیمانے پر منایا گیا اس کے فوائد چند مخصوص خاندانوں کو ضرور حاصل ہوئے لیکن عام آدمی کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اس کے علاوہ اس کے خاندان کے افراد کی ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے عوامی تحریک شروع ہو گئی چنانچہ مجبور ہو کر اسے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے لیکن اس سے سب سے بڑی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ خود ساختہ آئین کے مطابق اس نے اقتدار قومی اسمبلی کے اسپیکر کو منتقل کرنے کے بجائے جنرل آغا یحییٰ خان کمانڈر ان چیف کے حوالے کر کے مارشل لاء کی غلط مثال قائم کر دی۔

جنرل آغا یحییٰ خان کا پہلا قدم آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کا انعقاد تھا جسے ہر شخص نے سراہا، لیکن وہ شیخ مجیب الرحمٰن جو اکثریتی پارٹی کا لیڈر تھا اس کو اقتدار منتقل کرنے میں ناکام رہا کیونکہ اسے ذوالفقار علی بھٹو مولانا مودودی، خان عبدالقیوم خان جو اس کے مشیر تھے ان کی شہ بار حاصل تھی۔ مشرقی پاکستان میں پولیس ایکشن

عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، وہ اب اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رہنما ہوش میں آئیں اور اپنی اصلاح پر توجہ دیں

ہے چند سیاسی رہنماؤں کے سر اٹھانے سے حالات مزید بگڑ گئے اور مشرقی پاکستان ملک سے الگ ہو گیا۔

اگرچہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں نفرت کے بیج پہلی قانون ساز اسمبلی کے دوران بوئے گئے تھے جب مغربی پاکستان کے رہنماؤں نے اسمبلی میں سیاسی برابری کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ انہیں سیاسی اہمیت نہیں دی گئی تھی ان کا کہنا تھا کہ بنگالی تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ہم پر حکومت کریں گے اس طرح سے مشرقی پاکستان والوں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ ہمیں ایک قوم کا حصہ تصور نہیں کیا جاتا بلکہ ہمیں اجنبی قرار دیا جاتا ہے دیگر مستقل حکمرانی کا سوال ہی نہ اٹھتا! لیکن اس کے باوجود جنرل یحییٰ خان کو ملک کے دو ٹکڑے کرنے کے الزام سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ان کی نااہلی اور احمقانہ پالیسیوں کا نتیجہ تھا کہ ملکی بحران میں تیزی آئی جو بالآخر ڈھاکہ المیہ پر اختتام ہوئی جس سے تمام قوم کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا اور ہمارا وقار ذلت کی انتہاہ گہرائیوں تک گر گیا یہ ہماری قومی تاریخ کا تاریک ترین لمحہ تھا ہماری افواج پر عوام کے فخر و اعتماد کو سخت دھچکا لگا کیونکہ اس دن مشرقی پاکستان میں ہماری فوج نے اس دشمن کی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے جسے ہم نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا تھا۔ مشرقی پاکستان کے نقصان سے عوام کے دل نفرت اور حقارت سے نہ صرف اس شخص کے خلاف بھر گئے بلکہ تمام فوج بالخصوص سینئر جرنیلوں کے خلاف! جو اس سانحہ کے ذمہ دار تھے اس صورتحال سے چند حوصلہ مند جرنیلوں نے یحییٰ خان کو مجبور کیا کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو جو اس کے دلی دوست بھی ہیں اقتدار منتقل کر دے یہ غالباً تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ سول مارشل لاء نافذ کیا گیا۔

۱۹۷۳ء میں ایک دفعہ پھر قوم کی روح بیدار ہوئی جب ذوالفقار علی بھٹو نے تمام سیاسی جماعتوں کا منظور شدہ آئین قوم کو دیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ آئین بھی جلد اس اکثریتی جماعت کے ہاتھوں قطع و برید کا شکار ہو گیا جس نے اس آئین کو تشکیل دینے میں مدد دی تھی۔ بھٹو مرحوم کا خوش رقم کے سات سال کی حکمرانی کا عرصہ دانشمندانہ فیصلوں پر مشتمل ہے لیکن ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں مخالف جماعتوں کے مطابق اس کی جماعت کے رہنماؤں نے دھاندلی کی جبکہ مخالف جماعتوں کے مطابق اس احتجاجی حرکت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کی کامیابی کا گراف اوپر جا رہا تھا۔ پی این اے کی تحریک آہستہ آہستہ تقویت پکڑتی گئی حتیٰ کہ ایک ایسا مرحلہ آیا کہ جنرل ضیاء موقع پا کر اقتدار پر قابض ہو گیا۔

ہر شخص بخوبی آگاہ ہے کہ جنرل ضیاء نے بعض خود غرض سیاستدانوں اور جماعت اسلامی (جنہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا) کے سوا تمام جماعتوں کے خلاف کس طرح اپنے اقتدار کو طول دیا۔ ان کی وفات کے بعد جمہوری عمل دوبارہ شروع ہوا افواج کے سربراہ اور غلام اسحاق خان چیئرمین سینیٹ نے اس سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ بالآخر ۱۶ نومبر اور ۱۹ نومبر ۱۹۸۸ء کو عام انتخابات منعقد ہوئے اور تمام قوم خالص جمہوری عمل کی بحالی کے لئے چشم براہ تھی۔ ان انتخابات میں عوام نے جس جوش و جذبے کا اظہار کیا اس کی کوئی انتہا نہ تھی لیکن بدقسمتی سے کوئی بھی واحد سیاسی جماعت مرکز اور صوبوں میں اکثریت نہ رکھ سکی صرف سندھ میں مرکز نے اکثریتی نشستیں حاصل کیں اور آئی جے آئی نے پنجاب میں حکومت تشکیل دی۔ علیحدہ منشور ہونے کے باوجود تمام قوم کو امید تھی کہ بحالی جمہوریت سے قوم ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو گی لیکن بدقسمتی سے مرکز اور صوبوں کے درمیان متواتر جھگڑے اور کشمکش سے ان رہنماؤں کی توانائیاں اس قدر ضائع ہوتی گئیں کہ انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا۔ پی پی پی اور آئی جے آئی کے درمیان اقتدار کی جنگ اتنی شدت پکڑتی گئی کہ انہوں نے پارٹی کارکنوں کو بھی اس محاذ آرائی میں ملوث کر لیا۔ انتظامیہ پر بھی اسی محاذ آرائی میں شریک ہونے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔ اس طرح سے اس کی اہمیت کو زائل کر دیا گیا اور انتظامیہ پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا جس کے نتیجہ میں مایوسی اور محرومی کی لہر دوڑ گئی۔ بالخصوص سندھ میں جہاں جنرل ضیاء نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے علاقائی اور نسلی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی تھی تعصب اور نفرت نے جنم لیا اس سے کھلم کھلا جھگڑے اور گلیوں میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ حیدرآباد اور کراچی جیسے گنجان آباد صنعتی شہروں میں خانہ جنگی کی سی صورتحال پیدا ہو گئی اور صنعتی مراکز میں کام رک گیا۔ جس سے اقتصادیات کو بہت دھچکا لگا۔ لسانی تعصب کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی، سندھ حکومت کی مخصوص روش سے حالات مزید خراب ہو رہے ہیں اور حالات میں ابتری اس حد تک پہنچ گئی کہ سول انتظامیہ کی مدد کے لئے فوج کو طلب کرنا پڑا۔ حالانکہ ہندوستان کی دھمکیوں کے پیش نظر افواج کی سرحدوں پر زیادہ ضرورت تھی۔ میری رائے میں فوج کو سول انتظامیہ کی مدد کے لئے کبھی طلب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ نظم و نسق کی بحالی ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ جب سول انتظامیہ مکمل طور پر ناکارہ اور غیر مؤثر ہو جائے تو فوج کو آخری حربہ کے طور پر طلب کرنا چاہئے اور جب فوج کو بلایا جائے، مکمل اختیارات سونپ دینے چاہئیں دیگر بغیر اختیارات کے ان کو طلب کرنا بے سود ہے ہمیں احساس کرنا چاہئے کہ اگر فوج بھی حالات سدھارنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو پھر تمام قوم مجرموں، دہشت گردوں اور سماج دشمن عناصر کے رحم و کرم پر ہو گی۔

ان حقائق کے باوجود میں نے بطور رجائیت پسند کے امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ نشیب و فراز زندگی کا حصہ ہیں بالخصوص قوموں کی زندگی میں ہماری قوم میں قوت مدافعت اور استقلال موجود ہے کہ وہ ازسر نو صحیح سمت گامزن ہو۔ اور ان میں سیاسی بصیرت بھی ہے اور اپنے قائدین کی نااہلی کو ایک حد تک برداشت کر سکتی ہے اور ایک دفعہ انہیں احساس ہو جائے کہ قائدین حد سے تجاوز کر کے ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں خواہ وہ ان کے منتخب یا خود ساختہ لیڈر ہوں تو وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ یہ انہوں نے فیلڈ مارشل ایوب خان اور جنرل یحییٰ خان جیسے آمروں کو اپنے عہدوں سے ہٹا کر ثابت کیا ہے مجھے خوشی ہے کہ قیادت کو احساس ہو گیا ہے کہ جب تک وہ اپنے طور طریقے نہیں بدلیں گے اور ملک کی یکجہتی سلامتی اور عوام کی خوشحالی اور بہبودی کے لئے مل کر کام نہیں کریں گے تو لوگ انہیں اقتدار سے محروم کر دیں گے اور ایسے رہنما کو لائیں گے جس پر ان کا مکمل اعتماد ہو گا۔ مرکز اور صوبوں میں مفاہمت کے لئے حالیہ مذاکرات اسی احساس کا مظہر ہیں کہ حالات تبدیل ہو رہے ہیں عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے وہ اب اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ راہنما ہوش میں آئیں اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں اور قومی مفادات کو ترجیح دیں۔

اگر اس چیز کا احساس راہنما کو ہو جائے پھر ہمیں درخشاں مستقبل کے حصول میں کوئی چیز نہیں روک سکتی بشرطیکہ ہم محنت شاقہ سے کام کریں مجھے اپنی قوم پر پورا اعتماد ہے۔ جب ان کو طلب کیا گیا تو وہ موقع سے پورا فائدہ اٹھائیں گے اور قوم کو ترقی و خوشحالی کی طرف لے جائیں گے۔ صرف ان کو صحیح قیادت کی ضرورت ہے اگر ان کی مناسب طور پر راہنمائی کی گئی تو مجھے یقین واثق ہے کہ وہ ایک ایسا ملک قائم کرنے کا مقصد حاصل کر لیں گے جہاں قرآن و سنت پر مبنی معاشرہ جو تمام برائیوں سے پاک ہو گا اور عدل و احسان اسلامی سوسائٹی کے بنیادی شعار ہوں گے۔

آزادیٔ ہند

زیرِ نظر مضمون مولانا ابوالکلام آزاد کے ان تیس صفحات کی تیسری قسط جو ان کی وصیت کے مطابق تیس سال بعد منظرِ عام پر آئے ہیں۔ مضمون کے مندرجات سے ادارہ "احوال" کا متفق ہونا ضروری نہیں

تحریر: ابوالکلام آزاد ترجمہ: راؤ توفیق احمد

اب جبکہ میں ۱۹۵۷ء میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں اور ماضی کے واقعات پر نظر دوڑاتا ہوں تو میں یہ کہنے سے نہیں ہچکچاتا کہ ان (گاندھی) کے بہت سے قریبی ساتھیوں کے رویہ میں ایک بڑی تبدیلی آگئی تھی۔ سردار پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد، آچاریہ کرپلانی اور ڈاکٹر پرفلا گھوش نے کانگریس ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا جب کانگریس نے جنگی کوششوں میں برطانیہ کی اس شرط پر مدد کرنے کی قرارداد منظور کی تھی کہ وہ جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دے گا۔ ان لوگوں نے واضح طور پر کہا کہ ان کے لیے اہنسا (عدم تشدد) کا نظریہ مذہب کا درجہ رکھتا ہے اور انہیں ہندوستان کی آزادی سے زیادہ عزیز تھے۔ تاہم جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہو گیا ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اب ہندوستانی فوج کو ختم کر دینا چاہیئے اس کے برعکس وہ یہ زور دیتے رہے کہ انڈین آرمی کو تقسیم ہونا چاہیئے اور جلد از جلد اس کو ہندوستانی سرکار کے ماتحت آجانا چاہیئے۔ یہ بات اس وقت کے کمانڈر انچیف کی اس تجویز کے خلاف تھی جس میں کہا گیا تھا کہ تین سال کے عرصہ کے لیے نہ صرف فوج کو مشترکہ رہنا چاہیئے بلکہ اس کی کمانڈ بھی مشترک ہونا چاہیئے۔ لیکن اہنسا کے یہ چیمپئن اس کے لیے تیار نہ ہوئے اگر اہنسا واقعی ان کا ایک مسلک تھا تو پھر ان کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ ایک ایسی حکومت میں ذمہ داریاں سنبھالیں جو ہر سال فوج پر کروڑوں روپیہ صرف کرتی تھی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ نہ صرف

اگر اہنسا واقعی اُن کا مسلک تھا تو پھر ان کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ ایک ایسی حکومت میں ذمہ داریاں سنبھالیں جو ہر سال فوج پر کروڑوں روپیہ صرف کرتی تھی؟

یہ کہ فوج کے اخراجات میں کمی نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اس میں اضافہ کے خواہاں تھے۔

میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ یہ ساتھی اور دوست بیشتر سیاسی معاملات میں اپنا دماغ استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ صرف گاندھی کے پیروکار تھے جب کبھی کوئی سوال اٹھتا تھا وہ یہی انتظار کرتے تھے کہ وہ (گاندھی) کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ میں بھی گاندھی جی کا لحاظ کرتا تھا لیکن اندھی پیروی کا قائل نہ تھا۔ یہ بڑی تعجب خیز بات ہے کہ جس مسئلہ پر ۱۹۴۰ء میں ان دوستوں نے ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ وہ اب ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچ سکتے کہ ہندوستانی حکومت کو وہ بغیر فوج کے چلا سکتے ہیں نہ ہی وہ جنگ کے امکانات کو رد کر سکتے ہیں۔ صرف جواہر لال ورکنگ کمیٹی کے ایسے ممبر تھے جو پوری طرح میرے خیالات سے متفق تھے۔

جون ۱۹۴۴ء میں "ڈی ڈے" کے متعلق خبریں ملیں۔ اتحادیوں کی فتح اب یقینی تھی۔ افریقہ اور ایشیا میں اتحادی فوجیں فاتحانہ انداز سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میرے لیے کوئی حیرت ناک بات نہیں تھی۔ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ جنگ عظیم اول کی طرح جرمنی نے اس مرتبہ بھی دو محاذوں پر لڑنے کی غلطی کی تھی۔ درحقیقت جس دن ہٹلر نے روس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اسی دن اپنے زوال کا بیج بو دیا تھا۔ اب اس کو اور اس کے ملک کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

قلعہ احمد نگر کے جیل میں ایک دن اچانک ہم لوگ پریشان ہو گئے جب ہمیں بتایا گیا کہ ڈاکٹر سید محمود کی رہائی کے احکامات آئے ہیں ہم سب لوگ فکر مند تھے کہ آخر رہائی کے لیے تنہا سید محمود کو کیوں منتخب کیا گیا۔

کچھ عرصہ پہلے احمد نگر میں کالرا (ہیضہ) کی وبا پھیلی تھی۔ ہمیں اس بیماری سے بچاؤ کی خاطر ٹیکے لگوانے کی ہدایت کی گئی۔ جواہر لال۔ پٹا بھی سیتا رمیا، آصف علی، ڈاکٹر سید محمود اور میں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ سردار پٹیل، آچاریہ کرپلانی، شنکر راؤ اور ڈاکٹر گھوش نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا مجھے ٹیکے سے کچھ بخار ہو گیا لیکن ڈاکٹر سید محمود کو ٹیکے سے الرجی ہو گئی۔ ان کو تیز بخار نے دبوچ لیا۔ جواہر لال نے بیماری میں ان کی دیکھ بھال کی، بخار اتر گیا لیکن ان کے مسوڑوں سے خون بہتا رہا۔ جب ان کی رہائی کا پروانہ آیا وہ تقریباً صحت مند ہو چکے تھے۔ ان کی بیماری ان

کی رہائی کا کوئی جواز نہیں ہو سکتی تھی۔ تاہم ہم نے یہی سمجھا کہ شاید حکومت کچھ نرم پڑ گئی ہے اور اس نے بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر سید محمود کو رہا کر دیا۔

جب ہم نے احمد نگر جیل میں اس خط کو پڑھا تو ہم سب کو غصہ آیا اور ہم نے سبکی محسوس کی۔ ہم اس بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے کہ ڈاکٹر سید خود حکومت ہند کو ایسے خط لکھتے رہے اور ہمیں اس سے بے خبر رکھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ہم سے کچھ انگریزی محاوروں کی بابت مشورے کرتے رہے جس پر میں نے اور جواہر لال نے سوچا کہ وہ شاید کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور انگریزی محاوروں کا درست استعمال جاننا چاہتے تھے۔ ہمارے ذہن میں یہ کبھی نہیں آیا کہ وہ وائسرائے کو معافی نامہ رقم کر رہے تھے۔

اپنے اس خط (معافی نامہ) میں ڈاکٹر سید محمود نے لکھا تھا کہ انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں شرکت نہیں کی تھی جس نے "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کی قرارداد منظور کی تھی انکو اس غلط بیانی نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ وہ اجلاس میں موجود تھے اور انہوں نے قرارداد پر بحث و تمحیص میں حصہ بھی لیا تھا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اس حادثے سے ہم سب نے ایک سبکی محسوس کی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ انہوں نے پٹنہ میں پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ شاید یہ سمجھتے تھے کہ وائسرائے کے نام ان کے خط کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ جب حکومت نے ان کا خط شائع کر دیا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور سیدھے گاندھی جی سے ملنے چلے گئے۔

ان معاملات میں گاندھی جی بڑے فیاض واقع ہوئے تھے جیسے ہی سید محمود نے اپنی غلطی کا التراف کیا گاندھی کو ان پر رحم آ گیا۔ انہوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ گو ڈاکٹر سید محمود کو جیل میں موجود اپنے دوستوں کو بتائے بغیر ایسا خط نہیں لکھنا چاہئے تھا لیکن ہندوستانیوں کو ان کے احساس ندامت کو دیکھتے ہوئے اس معاملہ کو سختی سے نہیں لینا چاہیئے۔

اگرچہ ہم یقینی طور پر نہیں جانتے تھے لیکن ہم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہماری قید کے دن اب ختم ہونے والے ہیں، ۱۹۴۴ء کے آخر میں حکومتِ ہند اس نتیجہ پر پہنچی کہ ہمیں اب مزید احمد نگر جیل میں رکھنا ضروری نہیں۔ ہم وہاں کی دیواروں کے اندر رکھے گئے تھے۔ حکومت کا خیال تھا کہ ہماری جگہ پوشیدہ رکھی جائے گی۔ انہوں نے یہی سوچا کہ اگر ہمیں سول جیل میں رکھا گیا تو ہم شاید باہر کی دنیا سے تعلق قائم کر لیں گے۔ فوجی کنٹرول میں رکھنے سے ایسا نہیں ہو گا۔ احمد نگر جیل میں صرف یورپین فوجی تھے جو باہر کی دنیا سے تعلق قائم ہونے نہیں دے سکتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے باہر کی دنیا سے ہمارا جسمانی تعلق تک ختم کر دیا۔ جن بیرکوں میں ہمیں رکھا گیا انہیں ہمارے پہنچنے سے پیشتر ہی بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ دیواروں پر کیا گیا پلاسٹر ابھی تک گیلا تھا۔ قلعہ

تین سال بعد

جب میں گھر واپس جا رہا تھا

تو وہ

اس دنیا میں نہیں تھی

اور میرا گھر خالی تھا!

احمد نگر کی جیل میں ساڑھے تین سال کی اسیری کے دوران ہم نے کسی ہندوستانی کی شکل تک نہیں دیکھی اس عرصہ میں دو تین مرتبہ عمارت کی مرمت کا کام بھی ہوا مگر اس کام میں بھی کسی ہندوستانی مزدور کو استعمال نہیں کیا گیا اس طرح ہمیں باہر کی دنیا سے بالکل جدا کر دیا گیا۔

برطانوی حکومت باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ کاٹنے میں تو کامیاب ہو گئی تاہم ان کا مقصد پورا نہ ہو سکا کیونکہ عوام کو ایک ہفتہ ہی میں پتہ چل گیا کہ ہم سب احمد نگر کی جیل میں تھے۔ جب جنگ عظیم دوئم میں برطانیہ کی فتح یقینی دکھائی دینے لگی تو حکومت نے محسوس کیا کہ اب ہمیں فوجی نگرانی میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں اپنے اپنے صوبوں کی سول جیلوں میں منت[illegible] کتا ہے۔

سردار پٹیل اور شنکر راؤ دیو کو پونا جیل بھیج دیا گیا۔ آصف علی کو ٹالا جیل میں جہاں عام طور سے دہلی کے قیدی رکھے جاتے تھے۔ جواہر لال کو پہلے نینی الہ آباد کے قریب اور پھر الموڑہ منتقل کر دیا گیا۔ جاتے ہوئے جواہر لال نے پہلا خط ہی میں ہماری رہائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ رہائی کے فوراً بعد [illegible] کا دورہ [illegible] وہ چاہتے تھے کہ اس کچھ مہلت مل جائے تاکہ وہ جو کتاب [illegible] وہ جو دوران اسیری لکھ رہے تھے میں نے جواہر لال سے کہا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن مجھے خبر نہیں تھی کہ ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ فوری اور بڑے سیاسی عمل کے متقاضی ہوں گے جن میں آرام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا اور شاید ہماری باقیماندہ زندگی کے [illegible]

جب میری منتقلی کا وقت آیا تو چیتا خان (ایک انگریز فوجی افسر جسے مولانا آزاد نے اس کی [illegible] کی بنا پر یہ نام دیا تھا) نے کہا کہ چونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے کلکتہ جو مرطوب آب و ہوا کی وجہ سے میرے لیے مناسب جگہ نہیں رہے گی تو مجھے بنگال ہی میں کسی خشک آب و ہوا کے مقام پر رکھا جائیگا۔ ایک دن اس نے مجھے تیار ہونے کے لیے کہا جب میرا سامان اس کی کار میں رکھ دیا گیا تو وہ مجھے احمد نگر ریلوے اسٹیشن کے بجائے سات میل دور ایک چھوٹے سے دیہاتی اسٹیشن پر لے گیا۔ وجہ یہ تھی کہ حکومت میری منتقلی کی خبر کو خفیہ رکھنا چاہتی تھی۔

احمد نگر جیل میں جو میرا وقت گزرا اس سارے وقت میں، میں ذہنی دباؤ میں رہا۔ اس صورتحال نے میری صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔ جب مجھے گرفتار کیا گیا تھا اس وقت میرا وزن ۱۷۰ پونڈ تھا جب مجھے احمد نگر جیل سے منتقل کیا جا رہا تھا میرا وزن گھٹ کر ۱۳۰ پونڈ رہ گیا تھا۔ میری بھوک ختم ہو چکی تھی اور میں مشکل سے ہی کچھ کھا پاتا تھا۔

میری نگرانی کے لیے بنگال سے ایک سی آئی ڈی انسپکٹر اور چار پولیس والے آئے تھے جب ہم اسٹیشن پہنچے تو چیتا خاں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ ہم نے احمد نگر سے کلیانی تک سفر کیا۔ حکومت نے میری منتقلی کو ہر طرح سے خفیہ رکھنے کی کوشش کی تاہم پریس کو کسی نہ کسی طرح خبر مل گئی اور اسنسول کے اسٹیشن پر کچھ اخباری رپورٹر اور مقامی لوگوں کا ایک مجمع جمع ہو گیا۔

بنکورا کی نظربندی کے دوران مجھے پتہ چلا کہ ٹا
جیل میں آصف علی سخت بیمار تھے۔ وہ لمبے عرصہ تک

(باقی آئندہ)

عورت جو میں ایک سیدزادی تھی

تحریر: چوھدری محمد اختر

> تقسیم ھند کے وقت ایک لاکھ عورتوں کو اغواء کیا گیا اور ھزاروں کو قتل کیا گیا مگر نئی نسل سمجھتی ہے کہ پاکستان باتوں باتوں میں بن گیا۔

کیا آپ کو پتہ ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت۔ کتنے لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ مسلمانوں کی ہزاروں بیٹیاں بھارت میں سکھوں کے گھر بیٹھی ان کے بچے جنم دے رہی ہیں۔ وہ معصوم بچیاں جو اب پاکستان کی عمر سے تجاوز کر چکی ہیں یہ بھی بھول گئی ہیں کہ ہم مسلمان تھیں اس پاکستان کی بنیادوں میں مہاجروں نے مٹی یا گارا نہیں بلکہ اپنے خون کا مسالا بنا لگایا ہے اس لئے کہ پاکستان اسلامی ملک ہوگا یہاں امیر ہی نہیں غریبوں سے بھی انصاف ہوگا۔ مگر آج حیدرآباد کراچی کے حالات دیکھ کر دل کٹ جاتا ہے۔ ہم ۴۴ سال کے بعد ... تک پنجابی۔ مہاجر۔ پٹھان۔ سندھی۔ سرائیکی کہلواتے ہیں۔ بھائی سے بھائی لڑ رہا ہے اس کے خون کا پیاسا ہے دشمن ملک بھارت کہیں ہماری اس کمزوری سے ۱۹۷۱ء کی طرح فائدہ نہ اٹھالے۔ اور ازلی دشمن بھارت کی نظر میں ہم صرف مسلمان ہیں وہ اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قوموں کا زوال ہمیشہ ان کی داخلی کمزوریوں سے ہوتا ہے۔ کبھی وقت تھا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں سلطنت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی یہ اسپین جہاں آج عیسائی حکمران ہیں کبھی مسلمانوں کا مضبوط مرکز اور علم و ہنر کا گہوارہ تھا۔

حیدرآباد دکن جو برصغیر کی سب سے وسیع عریض خود مختار سلطنت تھی۔ بانی پاکستان کے رحلت فرماتے ہی بھارت نے فوج نہیں صرف پولیس ایکشن کے ذریعہ قبضہ کرلیا پھر ۱۹۷۱ء میں ہمارے خود غرض لیڈروں کی بدولت ملک کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ یہ ایک بہت بڑا عظیم سانحہ تھا۔ مگر ہم بھول چکے ہیں اب بھارت کشمیر کی وادی میں روزانہ سیکڑوں کشمیریوں کو جن میں بچے عورت مرد بھی شامل ہیں۔ بربریت اور دحشت کے ذریعہ انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا ہے۔ تین ماہ کے اندر چھ ہزار مسلمان شہید کردیئے گئے۔ دس ہزار سے زائد زندان کی نظر کردیئے گئے، کتنے ہی حریت پسندوں کو ہٹلر کے زمانہ کے بنائے ہوئے جیسے نازی کیمپوں میں تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ کشمیر کی کوئی صبح ایسی طلوع نہیں ہوتی۔ جب تک کشمیری مسلمانوں کا خون نہ بہایا جائے۔ آج جنت نظیر کشمیر کے ذرہ ذرہ پہ کشمیریوں کا لہو نظر آرہا ہے ان کا تصور کیا ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں۔ بھارت سامراج کا غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ کچھ دن ہوئے احمد پور شرقیہ میں ضلع کرنال کے مہاجر نے ایک بے باک مقرر شعلہ بیان خطیب بھی ہیں۔ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ کسی تقریب میں بھارت گئے۔ اور دہلی کی جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد جب باہر نکل رہے تھے تو ایک ۶۰ سال عمر کے لگ بھگ کی عورت جھاڑو دے رہی تھی اس عورت نے کہا کہ او مولوی تو پاکستان سے آیا ہے۔ جب میں نے اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگی دیکھو ذرا غور سے دیکھو۔

"میں ایک سیدزادی تھی"

تقسیم ہند کے وقت ایک ہندو نے مجھے اور میری ماں کو اغواء کرلیا۔ ماں ہندو کی اولاد جنتے جنتے مرگئی اور مجھے ایک بھنگی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب میں اس بھنگی کی اولاد جن رہی ہوں۔ میری ماں مجھے کہا کرتی تھی کہ مسلمان بہت غیرت مند قوم ہے۔ ہزار سال پہلے اسی ہندوستان کے جزیرے سراندیپ سے عرب قوم کے افراد واپس بغداد جارہے تھے کہ دیبل کی بندرگاہ پر ہندو راجہ داہر نے اپنے ڈاکوؤں کو بھیج کر جہاز لوٹ لیا۔ اور تمام عرب مسلمانوں کو زمین دوز تہہ خانوں میں قید کردیا۔ ایک لڑکی جو کسی طرح بچ گئی اس نے اپنے خون سے رومال پر لکھ کر حجاج بن یوسف کو پیغام بھیجا اور حجاج بن یوسف کی راتوں کی نیند اور دن کا چین ختم ہوگیا۔

آخر ایک ۲۰ سالہ مجاہد جس کا نام عمادالدین محمد بن قاسمؒ تھا راجہ داہر کی سرکوبی کو بھیجا۔ اور پھر تمام عرب کے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں کو راجہ داہر کو عبرتناک شکست دیکر آزادی دلائی۔ اب بھی پاکستان سے محمد بن قاسم آئے گا۔ اور ہماری طرح ہزاروں بے بس مسلمان عورتوں کو آزادی دلائے گا۔ یہ ہندو قوم بہت بزدل ہے۔ یہ محمود غزنوی شہاب الدین غوری جو اپنے مرکز سے ہزاروں میل چل کر بھارت آئے۔ اور ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے متفق ہو کر بھی ان کا مقابلہ نہ کرسکے۔

مگر افسوس اس بیچاری عورت کو کیا پتہ کہ جب ایک ہی ملک کے ۱۹۷۱ء میں اقتدار پسندوں نے دو ٹکڑے کردیئے اور مشرقی پاکستان جو اب بنگلہ دیش کہلاتا ہے وہاں لاکھوں بہاری جو اپنے آپ کو فخر سے پاکستانی کہلواتے ہیں انتہائی بے بسی اور لاچارگی سے ۲۰ سال ہوئے پاکستان آنے کے منتظر ہیں۔ یہ بہاری وہی ہیں جنہیں تقسیم سے قبل پتہ تھا کہ صوبہ بہار پاکستان میں شامل نہیں ہوگا۔ مگر انہوں نے قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

راقم الحروف کو ایک اور واقعہ یاد آگیا۔ لاہور کی بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد جب ہندوستان میں آج سے کئی سال پہلے دیوبند کی صد سالہ

پہلی بھی شرکت کرنے بھارت گئے تو بقول ان کے ایک برقعہ پوش عورت نے بازار میں ان کا ہاتھ تھام کر کہا میں تمہاری بہن ہوں مولانا صاحب اتقا در آزاد بہت پریشان ہوئے کہا میری تو کوئی بہن بھارت میں نہیں تو عورت نے برقعے سے اپنا چہرہ دکھایا اور کہا مجھے غور سے دیکھو میں مسلمان ہوں اس لحاظ سے تمہاری بہن ہوں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت میری عمر دس سال کی تھی میرے تمام رشتہ دار شہید ہو گئے۔ مجھے ہندو زبردستی اپنے گھر لے گئے اور عصمت دری کرتے رہے یہ صرف دو عورتوں کی بپتا نہیں ایک لاکھ کے قریب مسلمان عورتوں کو اغواء کیا گیا۔ ہزاروں لڑکیوں نے اپنی عصمت بچانے کی خاطر کنوؤں میں چھلانگ لگا کر جان دے دی۔ تقسیم کے وقت ماؤں کے سامنے وحشی درندوں نے ان کے جگر پاروں کو کرپانوں سے دو ٹکڑے کیا۔ نیزوں پر اچھالا۔ مگر افسوس کہ پاکستان کی ہر حکومت نے ان واقعات کو نئی نسل سے اس طرح چھپایا کہ پاکستان شاید صرف باتوں میں بن گیا۔

تین ماہ پہلے ۲۰ اور ۲۳ مارچ کو لاہور میں پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد نے کروڑوں روپیہ خرچ کر کے ایک دوسرے کی ضد میں مسلم لیگ کی گولڈن جوبلی منائی۔ مگر یہ رقم کشمیر کے حریت پسندوں کو نہ دے سکے۔ جو اپنے خون سے آزادی کا باب رقم کر رہے ہیں۔ یہ کروڑوں روپیہ ان بہاریوں کو پاکستان لانے پر نہ خرچ کر سکے۔ جنہیں ملک کے وزیر خارجہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کو دھوکہ میں نہیں رکھ سکتا ہمارے پاس ابھی مطلوبہ فنڈ نہیں کہ آپ کو پاکستان لایا جا سکے۔

تقسیم ہند کے وقت ایک ہندو نے مجھے اور میری ماں کو اغواء کر لیا اور پھر ایک جمعدار کے ہاتھ فروخت کر دیا

ہمارے سفارت خانوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کشمیر کے مسئلہ پر وہ ابھی تک کسی ملک میں کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے لئے عالمی ضمیر بیدار نہ کر سکے۔

مقبوضہ کشمیر میں بھارت خون کی ہولی کھیل رہا ہے اور ہمارے حکمران آزاد کشمیر میں اسمبلی کے ممبروں کی خرید و فروخت میں مصروف ہیں۔ جس طرح وزیر اعظم بے نظیر کے خلاف دونوں طرف سے ممبروں کو خریدنے کے لئے کروڑوں، اربوں روپیہ خرچ ہوا۔ ٹی وی پر یکطرفہ طور پر مخالفین کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔ فحاشی، عریانی کا درس دیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ ایک ایسا میڈیا ہے کہ اس وقت کشمیر کے مسئلہ پر پوری قوم کو جہاد کے لئے درس دیا جائے۔ بھارت کی ریاکاری۔ منافقت کا پردہ چاک کیا جائے۔ مگر کشمیر کے مسئلہ پر مسلسل خاموشی یا صرف زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں کیا جا رہا۔ صوبہ سندھ واحد ایسا صوبہ ہے جہاں پی پی کی حکومت ہے مگر وہاں کا صوبائی دارالحکومت کراچی اب بیروت بن چکا ہے یہ وہی کراچی ہے جہاں کبھی پنجابی، سندھی، مہاجر، پٹھان، بلوچی، قدیم باشندے مکرانی اور میمن برادری بھائی چارے اور پر امن طریقہ سے زندگی بسر کر رہے تھے حیدر آباد اب کرفیو آباد بن چکا ہے۔ صنف نازک کی عزت بھی عورتوں پر بیدردی سے بندوقیں اٹھالی گئیں۔ اور متعدد عورتیں شہید ہو گئیں۔ ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے پاس ایسا جدید اسلحہ ہے کہ ہماری پولیس کے پاس بھی نہیں سندھ میں جگہ جگہ ان کی حکومت ہے۔ سندھ سے روزانہ سینکڑوں لوگ نقل مکانی کر رہے ہیں مگر پی پی کے رہنما جن میں وزیر اعلیٰ بھی شامل ہیں اسے تسلیم نہیں کرتے کیا پوری قوم متحد ہو کر اپنے آپ کو صرف مسلمان اور پاکستانی سمجھ کر حکمرانوں کو موجودہ روش ترک کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی؟ ہم کب خواب غفلت سے جاگیں گے؟ کب کشمیر آزاد ہو گا؟ بابائے قوم حضرت قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے۔ قدرت کسی قوم کو بار بار موقع نہیں دیتی۔ جس طرح پاکستان بننے سے پہلے لفظ پاکستان کے خالق جناب چوہدری رحمت الہٰی نے ایک پمفلٹ لکھا تھا۔ ابھی ورنہ کبھی نہیں۔ اسی طرح آج کشمیر میں آزادی کی شمع جو کشمیری اپنے لہو سے جلا رہے ہیں کہیں ہماری نا اتفاقی۔ غفلت کی وجہ سے بجھ گئی۔ تو پھر کبھی وقت نہیں آئے گا کہ کشمیر آزاد ہو۔ اس وقت قوم کو شہید ملت خان لیاقت علی خان کے مکے کی طرح یکجہتی اور شجاعت کی ضرورت ہے وہی تاریخ ساز مکا جسے دیکھ کر بھارت کانپ گیا تھا پھر انشاء اللہ بھارت ہماری قوت شجاعت کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا۔ ●●

دریچۂ صحت

ڈاکٹر سعید

سگ گزیدگی ایک المناک اور خوفزدہ کرنے والا مرض ہے

1......گلسوئے "کن پیڑے"

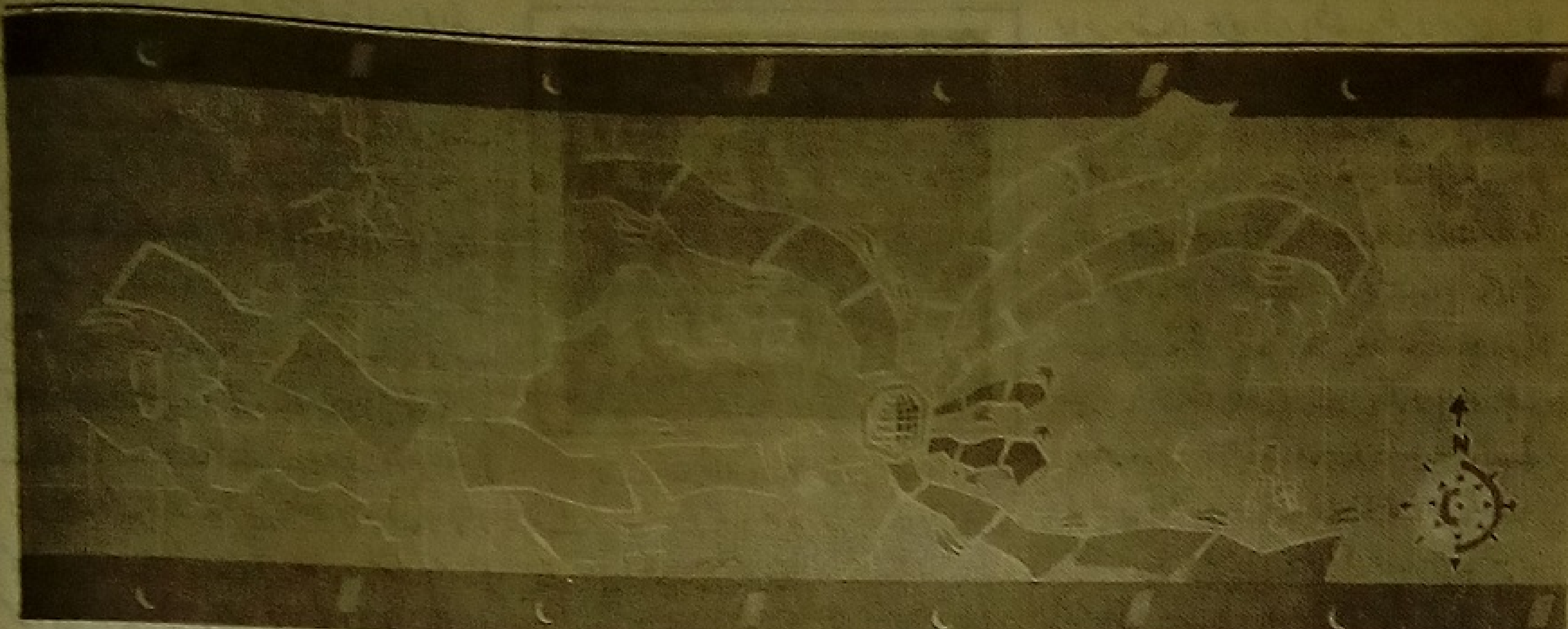
بچوں میں گلسوئے نسبتاً بے ضرر مرض ہے لیکن جب زمانہ بلوغت میں ہوتا ہے تو پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں جن کا اثر اعضائے جنسی (بیضوں اور خصیوں) پر ہوتا ہے بانجھ پن واقع ہو سکتا ہے دیگر پیچیدگیاں سوزش لبلبہ اور سوزش دماغ ہوتی ہیں۔ گلسوؤں کے سدباب کیلئے ٹیکے بھی (ویکسین) دستیاب ہے مگر یہ صرف 80 فیصد افراد میں موثر ہوتی ہے جو اس کی خامی ہے۔ اس کا دفاعی اثر بھی دو سال تک رہتا ہے یعنی اگر بچپن میں ٹیکے لگائے جائیں تو بلوغت کی عمر میں اس مرض کا امکان ہو جاتا ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ بچپن میں گلسوؤں کا مرض عام طور پر واقع ہو جائے تاکہ پھر اس مرض کے خلاف ہمیشہ کیلئے مستقل مامونیت پیدا ہو جائے۔

2......داء الکلب "ہلکا" ہڑکائے کتے کا کاٹنا" سگ گزیدگی۔ یہ ایک المناک اور خوفزدہ کرنے والا مرض ہے جب ایک مرتبہ کسی انسان کو ہو جاتا ہے تو مہلک ہوتا ہے۔ یہ مرض وائرس کے سبب ہوتا ہے۔ (وائرس ایک انتہائی مختصر جرثومہ ہے جو خوردبین میں نہیں دیکھی جا سکتی) وائرس عفونت زدہ جانور (پاگل کتے) کے کاٹنے سے انسانوں میں پہنچتی ہے۔ اب ہمیں یہ معلوم ہے کہ کتوں کے علاوہ بھی دوسرے متعدد حیوانوں مثلاً چمگادڑوں اور امریکی نیولے میں بھی یہ مرض ہو سکتا ہے۔ پھر یہ جب انسانوں کو کاٹتے ہیں تو اپنے لعاب دہن کے ذریعہ مرض کا سبب ہو جاتے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ فوری طور پر اس کاٹے ہوئے شخص کے سوئیاں لگانا شروع کر دی جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس مشکوک جانور کو کہ جس نے کاٹا ہے اور جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ ہڑکایا ہوا یا پاگل ہے دس روز پنجرہ میں زیر نگرانی رکھا جائے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ اس عرصہ میں یہ جانور صحت مند رہتا ہے یا مر جاتا ہے۔ اگر جانور مر جاتا ہے تو اس جانور کی جانچ کی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ جانور ہڑکایا تھا یا نہیں اور اس میں مرض کی شہادت موجود ہے کہ نہیں۔ اگر واقعی یہ جانور عفونت زدہ یا ہڑکایا تھا تو پھر اس کے کاٹے ہوئے شخص کا "علاج پاسچر" فوراً شروع کر دیا جائے اور یہ علاج مکمل طور پر کیا جائے۔

چونکہ یہ مرض انسانوں میں زیادہ عام نہیں اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر بغیر ہڑکائے کتے کے کاٹے اس کے خلاف ٹیکے لگوانے کا مشورہ نہیں دیا جاتا۔

جب کوئی ہڑکایا جانور کاٹتا ہے تو اس کے بعد دو ہفتے کا وقفہ ہوتا ہے جس میں کاٹے ہوئے انسان کو بظاہر کوئی تکلیف نہیں ہوتی مگر اس دو ہفتے کے وقفہ کے بعد کاٹے ہوئے انسان میں یہ مرض جڑ پکڑ لیتا ہے چنانچہ اس دو ہفتے کے عرصہ میں کاٹے ہوئے شخص کے ٹیکے لگائے جا سکتے ہیں اور اس طرح ایک المناک ہی نہیں بلکہ مہلک مرض کے واقع ہونے کو روکا جا سکتا ہے۔ ٹیکے لگانے کے اس طریقہ کو "علاج پاسچر" کہا جاتا ہے۔ بہر حال اس مرض کے سدباب کیلئے "علاج پاسچر" کے طریقہ سے ٹیکے لگانے کا عمل ذرا پیچیدہ ہے اور صرف اس وقت اس پر عمل کیا جاتا ہے جب یہ یقین ہو جائے کہ جس جانور نے کاٹا ہے وہ واقعی عفونت زدہ ہے۔



زلزلے کیوں آتے ہیں

محمد سلیم قادری

لمحوں کی تباہی صدیوں کے نقوش مٹا جاتی ہے اور آنے والے وقت کے لئے ایک غم ناک تاریخ رقم کر جاتی ہے۔ دبے قدموں اور خاموشی سے آنے والی اس تباہی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا ادراک چوپاؤں کو ہو جاتا ہے لیکن ابھی انسان اس قابل نہیں ہوا کہ چوپاؤں کی زبان سمجھ لے۔ لہٰذا وہ اس خاموش تباہی سے بے خبر رہتا ہے۔ اور موت اسے ایسی بے خبری میں آن دبوچتی ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہو پاتی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

ایسا ہی ایک لمحہ جمعرات ۲۰ جون کی تاریک اور خاموش شب میں ایران کے صوبے زنجان پہ آیا اور صدیوں کے تاریخی نقوش کو تہہ و بالا کر گیا۔ یہ زلزلہ جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر ۷ء۷ نوٹ کی گئی صرف ایک منٹ رہا۔ لیکن اس ایک منٹ کے مختصر وقفہ میں یہ دیہاتوں اور شہروں کو قبرستان میں تبدیل کر گیا۔ صوبہ زنجان کے علاوہ صوبہ گیلان بھی اس زلزلے سے متاثر ہوا۔ صوبہ زنجان مشہور روحانی سلسلے کے بزرگ حضرت سید شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اور صوبہ گیلان حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ زلزلے کے جھٹکے ایران کے دارالحکومت تہران میں بھی محسوس کئے گئے۔ زلزلے سے تقریباً ۱۱۳ دیہات ملبے کے ڈھیر بن گئے۔ ہزاروں افراد ہلاک، ہزاروں زخمی اور دو لاکھ سے زائد افراد بے گھر ہو گئے۔ ایران ان ممالک میں سے ایک ہے جہاں اکثر و بیشتر زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے جاتے ہیں۔

آفاتِ ارضی و سماوی کا یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے کرۂ ارض عالم وجود میں آیا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کرۂ ارض کا وجود میں آنا بھی کسی نہ کسی حادثہ کا نتیجہ ہی رہا ہوگا۔ زمین کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا تو دشوار ہے تاہم زمین نے موجودہ شکل تقریباً ساڑھے چار ارب سال قبل اختیار کی ارضیات دانوں کے مطابق اس وقت زمین پر چٹانوں کے جو نمونے موجود ہیں ان کی عمر تین ارب سال سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً زمین کی شکل میں تبدیلیاں زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کے نتیجے میں ہونے والی تباہیوں کے ذریعے آتی رہی ہوں گی۔ آج بھی جبکہ انسان نے قدرت کے کاموں میں بڑا عمل دخل حاصل کر لیا ہے۔ ان آفاتِ ارضی کے سلسلے میں اپنے آپ کو اتنا ہی بے بس پاتا ہے جتنا کہ وہ ابتدائے آفرینش سے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ زلزلے، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا اور سمندری طوفانوں کا آنا دراصل قدرتی آفات ہیں۔ جو اللہ کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ جب انسان رب کی انتہائی نافرمانی پہ اُتر آتا ہے تو خدائے لم یزل اس پہ ایسی ہی سزائیں مقرر کرتا ہے۔ جیسا کہ قوم لوطؑ پر زمین کو الٹ کر کیا گیا تھا۔ قوم نوحؑ کو طوفان میں غرقاب کر دیا گیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قدرتی آفات کے سامنے انسان آج بھی بے بس نظر آتا ہے۔ جب کہ آج کا انسان مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ تو گویا ؎

چلے ہیں تسخیر مریخ کو
مسخر نہیں کر سکے جو زمین کو

زلزلوں کو نہ تو روکا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی تباہیوں سے مکمل طور پر محفوظ رہا جا سکتا ہے تاہم یہ ضرور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے اسباب کیا ہیں۔

زمین کی سب سے بالائی سطح جس پر ہم رہتے ہیں دراصل زمین کی ایک تہہ ہے۔ جسے قشرِ ارضی کہتے ہیں اس کی موٹائی ۳۰ سے ۵۰ کلومیٹر ہے اس کے بعد تقریباً تین ہزار کلومیٹر کا حصہ پگھلے ہوئے مادے پر مشتمل ہے جسے مینٹل کہتے ہیں۔ یہ پگھلا ہوا مادہ مستقل مگر آہستہ آہستہ حرکت کرتا رہتا ہے اس حرکت کے سبب قشرِ ارض مختلف پلیٹوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ قشرِ ارض کی یہ پلیٹیں تمام براعظموں اور سمندروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے

ہیں۔ مینٹل کے مادے کے ساتھ یہ پلیٹیں بھی حرکت کر رہی ہیں ان پلیٹوں میں ٹوٹ پھوٹ رخنہ اندازی اور ٹکراؤ کے نتیجے میں زلزلے آتے ہیں۔

موسمیاتی پیش گوئی میں ترقی یافتہ ممالک اس حد تک ترقی کر چکے ہیں کہ عام لوگ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر موسم کا حال سن کر اگلے دن کی مصروفیات موسم کی مناسبت سے ترتیب دیتے ہیں۔ زلزلوں کی وجوہات جاننے کے باوجود اب تک انسان اس سلسلے میں قبل از وقت پیش گوئی کا کوئی مؤثر ذریعہ یا طریقہ دریافت نہیں کر سکا۔ تاہم روس کے سائنسدانوں نے ۱۹۸۸ء کے آرمینیا میں آنے والے قیامت خیز زلزلے کے بعد اپنی حکومت کو ایک تجویز پیش کی جس کی رو سے زلزلے کی پیشگی اطلاع پورے ملک میں دی جا سکے گی۔

زلزلے کی پیشگی اطلاع کے نظام کا قیام ابھی تجرباتی مراحل میں ہے تاہم زلزلہ کی شدت معلوم کرنے کا آلہ زلزلہ نگار یا "سیسموگراف" ایجاد ہو چکا ہے۔

وسط ایشیا کا علاقہ عموماً زلزلوں کی زد میں رہا ہے دنیا میں سب سے زیادہ زلزلے جاپان میں آتے ہیں ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد سال میں تقریباً ۵۰۰ ہے زلزلوں کے بعض جھٹکے اتنے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جنہیں انسان محسوس نہیں کر پاتا لیکن سیسموگراف اس معمولی نوعیت کے زلزلے کی شدت بھی نوٹ کر لیتا ہے زیادہ تر دنیا میں زلزلوں کے شدید جھٹکے جاپان، ترکی، ایران، کیلیفورنیا اور الاسکا میں محسوس کیے جاتے ہیں۔

زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں کے اچانک پھٹ پڑنے کا ایک طویل سلسلہ تاریخ ارضی نے رقم کیا ہے جس کے نتیجے میں شہر کے شہر تباہ ہو گئے۔ یہ قدرتی تباہی [illegible] سے انسانی بستیوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ صرف چند لمحوں میں تباہی کے ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ بلند و بالا عمارتیں اس طرح زمین بوس ہو جاتی ہیں جیسے بچے غصے میں اپنے گھروندوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو قدیم روما کا شہر پومپیائی اپنی داستان الم سناتا ہوا ملتا ہے۔ پومپیائی کے در و دیوار [illegible] باسیوں کے منتظر ہیں لیکن یہ صرف [illegible] کے قدموں کی چاپ ہی سن پاتے [illegible] ۷۹ء میں [illegible] آگ [illegible] اسی وقت سے [illegible]

مینٹل کے مادے کے ساتھ یہ پلیٹیں بھی حرکت کر رہی ہیں، ان پلیٹوں میں ٹوٹ پھوٹ اور ٹکراؤ کے نتیجے میں زلزلے آتے ہیں!

تک پچیس ہزار کی آبادی کا یہ شہر آج تک غیر آباد ہے۔

۱۱۶۹ء میں شام میں تباہ کن زلزلہ آیا جس سے تقریباً ۸۰ ہزار افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ تاریخ کا سب سے ہولناک ترین زلزلہ چین میں شان سی کے مقام پر آیا جس میں مرنے والوں کی تعداد ۸ لاکھ تیس ہزار تھی۔

۳۰ دسمبر ۱۷۰۳ء میں جاپان میں زلزلہ سے دو لاکھ افراد موت کے گھاٹ اتر گئے تھے

اکتوبر ۱۷۳۰ء میں کلکتہ میں زلزلے نے ہولناک تباہی مچائی اور تین لاکھ افراد کو موت نے آن دبوچا۔

یکم نومبر ۱۷۵۵ء پرتگال کے دارالحکومت لزبن پر زلزلہ ایک قیامت بن کر گزرا زلزلہ سے سر بفلک عمارتیں دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہو گئیں دریائے ٹاگوس میں ایسی طغیانی آئی کہ ۲۵ فٹ بلند لہریں دریا میں اٹھیں اور انہوں نے پورے علاقہ کو ڈبو کر رکھ دیا صرف لزبن میں ۶۰ ہزار لاشیں دستیاب ہوئیں ہزاروں افراد لاپتہ ہو گئے۔ زلزلے کے جھٹکے ویسٹ انڈیز، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ جرمنی اور سویڈن تک محسوس کیے گئے۔

ایسا ہی ایک زبردست زلزلہ ۲۰ اگست ۱۸۸۳ء کو انڈونیشیا کے ایک جزیرے کراکاٹوا میں آیا ۳۶ ہزار افراد ہلاک ہوئے آدھا جزیرہ فضا میں اڑ گیا اور اس کی جگہ ایک ہزار فٹ گہرا سمندر رہ گیا۔ زلزلے کی مٹی فضا میں ۲۰ میل اونچی اڑی اور بکھر گئی۔ مہا میرو نامی آتش فشاں پہاڑ جس کے پھٹنے سے یہ زلزلہ آیا تھا اس کی آواز تقریباً دو ہزار میل دور آسٹریلیا میں سنی گئی۔ سو میل دور جکارتہ میں کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ فضا میں ۳ سال تک اس کی گرد موجود رہی۔

۱۹۲۰ء میں چین میں زلزلہ سے ایک لاکھ افراد صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں زلزلہ ٹوکیو اور یوکوہاما جاپان میں قیامت بن گیا تقریباً ۹۰ ہزار جانیں گئیں۔ ۱۹۲۰ء میں چین میں ایک بار پھر زلزلہ سے دو لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

۱۹۳۵ء کوئٹہ کے لئے منحوس ثابت ہوا جب زلزلہ سے پورا شہر تباہ ہو گیا تقریباً ۳۰ ہزار افراد راہی ملک عدم ہو گئے۔

۱۹۳۹ء میں ترکی کے شہر ارزنجان میں زلزلے نے تباہی مچائی اور کم و بیش ایک لاکھ افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں مراکش کے شہر آگادیر میں زلزلے سے بارہ ہزار افراد اور چلی کے زلزلے میں ۶۰۰۰ افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

ستمبر ۱۹۶۲ء کو ایران زلزلہ کی زد میں تھا دس ہزار افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اگست ۱۹۶۶ء ترکی کے لئے ایک بار پھر بھاری گزرا جب زلزلے سے پندرہ ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔

۲۹ جون ۱۹۷۰ء کو ترکی میں اور پیرو میں بھی اس سال زلزلہ آیا ترکی میں ۲۰۰۰ جانیں گئیں۔ جب کہ پیرو میں ۵۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

۱۹۷۲ء میں ماناگوا میں دس ہزار افراد زلزلہ کا شکار ہوئے بیسویں صدی کا سب سے تباہ کن زلزلہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۶ء کو چین کے مشرقی علاقہ تانگ شان میں آیا۔ ریکٹر اسکیل پر اس کی شدت ۸.۲ تھی ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ ساڑھے سات لاکھ لگایا گیا۔

فروری ۱۹۷۶ء میں گوئٹے مالا میں اور اگست ۱۹۷۶ء میں فلپائن میں زلزلوں نے تباہی مچائی گوئٹے مالا میں مرنے والوں کی تعداد ۲۳ ہزار اور فلپائن میں ۸ ہزار تھی۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ میں ۱۵۰۰ افراد زلزلہ کی نذر ہو گئے۔

ستمبر ۱۹۷۸ء میں ایران کا علاقہ طباس زلزلہ کی زد میں تھا۔ ریکٹر اسکیل پر زلزلہ کی شدت ۷.۷ تھی ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۵ ہزار تھی۔

اکتوبر ۱۹۸۰ء میں الجزائر میں زلزلے سے ہزاروں افراد ہلاک ہوئے۔ ۱۹۸۰ء ہی میں اٹلی کے شہر نیپلز میں ۳ ہزار افراد زلزلہ کا شکار ہوئے۔

ستمبر ۱۹۸۵ء میں میکسیکو سٹی زلزلے سے متاثر ہوا۔ تقریباً ۱۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں سان سلواڈور کے دارالحکومت السلواڈور میں زلزلہ آیا ۱۵۰۰ افراد مارے گئے۔

۱۹۸۸ء کے اگست میں نیپال اور شمالی بھارت نومبر میں چین کا علاقہ یونان اور دسمبر میں سوویت جمہوریہ آرمینیا زلزلہ کی زد میں تھی سب سے زیادہ ہلاکتیں آرمینیا میں ہوئیں جن کی تعداد ۲۵ ہزار تک پہنچ گئی تھی ●●

آج تاریخ سے پوچھئے کہ کربلا میں کون جیتا اور کون ہارا؟
کسے ابدی موت ملی اور کس نے حیاتِ جاوداں پائی؟؟

حیاتِ جاوداں

چشمِ فلک نے کیسی کیسی قاہرانہ قوتوں کی نمود دیکھی اور تاریخ کی سٹیج پر کیسے کیسے ظالم اور جابر کردار نمودار ہوئے۔ برق لباسوں میں ملبوس، کثیر لاؤ لشکر ہمرکاب، تختِ مرصع پر متمکن۔ کتنی نظر کش ان کی نمود تھی اور کتنی ہیبت ناک ان کی شخصیت تھی، دولت ان کی کنیز تھی، عزت و حشمت، غلام بے دام اور روندی ہوئی انسانیت ان کی حلقہ بگوش تھی۔

لیکن ہیبت و عظمت کے وہ مغرور پیکر کہاں گئے؟ ان کے وہ لاؤ لشکر اور مرصع تاج و تخت کیا ہوئے؟ ایک افسانہ پارینہ یا ایک خواب سراب تھا، کہ جلوہ دکھا کر گذر گیا۔ تاریخ کے دامن میں ان کے لئے کوئی پھول موجود نہیں کیونکہ زندگی میں انسانوں کے لئے کانٹے بو کر گئے تھے، انسان کے دل میں ان کے لئے کوئی مقام عزت موجود نہیں کہ وہ انسانیت کو ذلیل کرنے والے تھے۔ آہ یہ ہے انجام ان قائدین تخریب کا جو حق و باطل اور باقی اور فانی میں امتیاز نہ کر سکے، انہوں نے حال کی فانی مسرتوں کو مقصدِ حیات بنا لیا اور حیاتِ ابدی کے تقاضوں کو بھول گئے۔ آئیے ان میں سے چند ایک کے مآل کو دیکھئے کہ یہ سرمایۂ عبرت ہے۔

لیکن یہ داستان نامکمل رہے گی جب تک کہ اس کا دوسرا پہلو بھی کھل کر سامنے نہ آجائے۔ یہاں آپ کو کچھ بے سروسامان، لیکن باایمان نظر آئیں گے جو محبتِ مقصد کے نشہ میں سرشار ہیں۔ نہ تعداد پر فخر ہے اور نہ سامان پر ناز ہے۔ ان کی متاعِ گرانمایہ صرف حق و صداقت کی بے پناہ محبت ہے۔ ان کی شکستہ کشتیاں بپھری ہوئی موجوں کا مذاق اڑاتی ہیں۔ اور ان کی آبلہ پائی، ایک خار کی تیزی پر ہنستی ہے۔ فقر و فاقہ اور ظلم و جور کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ زخموں پر زخم کھاتے ہیں، لیکن مسکرا مسکرا کر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ عقیدت ان کے پاؤں چومتی ہے اور منزل خود بڑھ کر ان کا استقبال کرتی ہے۔ یہ جرعہ کشانِ بادۂ صداقت، انسانیت کے محسن اور تہذیب و شرافت کے علمدار ہیں۔ تاریخ کے صفحات ان کے تابناک تذکروں سے روشن ہیں اور کاروانِ حیات ان کے دم قدم سے

صاحبزادہ سید فیض الحسن

رواں دواں ہے۔ یہی حاصلِ حیات ہیں، یہی سرمایۂ انسانیت ہیں اور یہی امامانِ تہذیب ہیں۔ انسانیت کے دامن میں انہی کے لئے عقیدت کے پھول ہیں جو قیامت تک ان کے نقوشِ قدم پر نثار کرتی رہے گی۔

بہ آں گروہ کہ از بادۂ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

بابل کے مرصع تخت پر نمرود پورے کر و فر سے متمکن ہے۔ ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ تجارت و زراعت کی فراوانی ہے، زمین زرخیز اور موسم معتدل ہے۔ خزانہ میں مال و منال کی کثرت ہے۔ ذہن آمادہ اور مستعد ہیں، لیکن اس مادی خوشحالی کے ساتھ یہ کیا ہے کہ انسانی پتھروں کے خودساختہ مجسموں کے سامنے سرنگوں ہے۔ وہ بلندی کے بجائے پستی کی طرف جارہا ہے۔ انسانیت کی کتنی توہین ہے کہ وہ سنگ و خشت سے خائف و ترساں ہے۔ خالق کائنات نے تمام جسمانی اور عقلی ضروریات کی تسکین کا تمام سامان بافراط مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن انسان کی ناشکری اور بدبختی دیکھئے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو بھول کر خود فراموش ہو چکا ہے اور شجر و حجر کو اپنا معبود بنائے بیٹھا ہے۔ اس کاروانِ ضلالت کا سرکردہ نمرود ہے۔ اور وہ نجوم و کواکب کی تابشوں کا پرستار ہے۔ اس تمام مملکت میں صرف ایک ہستی ہے جو خودشناس ہے اور خداشناس ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے۔ ان کی خودی فلک شگاف اور ان کی نگاہ کمند بہ مہر و ماہ ہے۔ انسانیت کی یہ تذلیل ان کے لئے سوہانِ روح ہے۔ وہ انسان کو خود آگاہ اور مہر و ماہ سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی نگاہِ تیز مہر و ماہ پر تنقید کرتی ہے۔ اور ان کی زوال پذیری کو دلیل بندگی بنا کر واضح کرتی ہے۔ وہ بے حس قوم کے دلوں میں احساس شعور پیدا کرنے کیلئے ان کے خودساختہ بتوں کو داغدار بنا دیتے ہیں اور بازپرس ہونے پر للکار بے باکی سے فرماتے ہیں، کہ جو بت اپنا تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنے ناک کان نہیں بچا سکتے وہ تمہارے معبود اور محافظ کیسے بن سکتے ہیں۔ اس کا جواب دلیل سے نہیں بلکہ کج بحثی اور قوت سے دیا جاتا ہے اور ان کو گرفتار کر کے، مادی ترقی لیکن روحانی پستی کے پیکر نمرود کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بظاہر تنہا ہیں۔ کوئی یار و مددگار نہیں۔ ساری قوم مدمقابل ہے۔ حق و باطل اور ایمان سامان

کا سوگ ہے۔ اس پیکرِ صداقت سے بتوں کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا جاتا ہے اور اس پیکرِ صداقت کو آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

نار نور کیسے بن گئی، یہ میرا مقصودِ بیان نہیں، بلکہ میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ چھ ہزار سال کے طویل زمانے کے بعد آج اس واقعہ پر نظر ڈالیے اور تاریخ سے پوچھیے کہ بھڑکتے شعلوں نے کس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور کس کو حیاتِ ابدی کی نوید مل گئی؟ آج اسی آگ کے کنارے پر کھڑا ہوا، ابراہیم خلیل علیہ السلام فتح و کامرانی کے پھریرے اڑا رہا ہے اور صاحبِ تخت و تاج نمرود ایک کونے میں مجرم بنا ہوا کھڑا ہے اور آنسو بہا رہا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون.

آئیے تاریخ کا ایک اور ورق الٹیے اور خیر و شر اور حق و باطل کی آویزش کا ایک اور خونیں منظر ملاحظہ کیجیے۔ ایک چھوٹا سا قافلہ، مختصر سے متاعِ سفر کے ساتھ ایک لق و دق صحرا میں جا رہا ہے۔ چند بچے اور مستورات بھی ساتھ ہیں۔ ظاہری کرّ و فر کے فقدان کے باوجود، قافلہ بھر میں ایک عجیب ملکوتی سا تقدس پایا جاتا ہے، قافلہ سالار کے چہرہ سے انوارِ جمال کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں، وقار و تمکنت لگام پکڑے ہوئے ہے تو شرافت و سیادت رکاب تھامے ہوئے ہے۔ ہمراہی ادب و احترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اتنے میں سامنے سے گرد و غبار کا طوفان اٹھتا ہے۔ غبار چھٹتا ہے تو ایک عظیم لشکر، آلاتِ حرب و ضرب سے آراستہ، کیل کانٹے سے لیس، اس مختصر سے کاروانِ بے سامان کا راستہ روک لیتا ہے۔ اور پھر مکمل محاصرہ کر لیا جاتا ہے۔ قافلہ سالار حملہ آوروں کو کچھ خطوط دکھاتا ہے اور مشفقانہ انداز میں سمجھاتا ہے لیکن حملہ آور بہرحال برسرِ پیکار ہی رہتے ہیں۔ رودِ فرات قریب ہی ہے، قافلہ والوں پر لشکری پانی بند کر دیتے ہیں۔ بچے پیاس سے بلکتے ہیں، لیکن شقی القلب حملہ آوروں کے دل میں کوئی بھی جذبۂ ترحم پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو یہ اذیتیں دے کر قافلہ سالار سے اپنا کوئی مطالبہ منوانا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ گرمی کی شدت، پیاس کی کلفت اور محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر امیرِ قافلہ ان کا مطالبہ مان لے گا۔ کئی دن اسی عالم میں گزر جاتے ہیں۔ قافلہ والوں کے ننھے ننھے بچے بھوک اور پیاس سے بیتاب ہو کر تڑپتے ہیں لیکن قافلہ سالار کوہِ وقار بنا اس عالمِ کرب و بلا میں ہزاروں حملہ آوروں کے سامنے یکہ و تنہا ڈٹا ہوا ہے۔ نہ اس کے چہرے پر بل ہے نہ گردن میں خم۔ اذان اور نماز، ذکر اور فکر کا اہتمام ہے اور اسی میں منہمک ہے۔ لشکرِ اعدا میں محفلِ ناؤ نوش اور بزمِ طرب کا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
اور ان کے وفا شعار رفقاء
کے تذکار جانِ ایمان ہیں

اہتمام ہے۔ اور قافلہ والوں کے ہر خیمہ سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی ہے اور ایک ملکوتی قسم کے انوار کی بارش ہوتی نظر آتی ہے۔

اب دیکھیے، ایک شہسوار، جرأت و شجاعت کا پیکر، کندھے پر مشکیزہ ڈالے، ہاتھ میں علم لیے، ساحلِ دریا کی طرف جا رہا ہے۔ دشمن راستہ روکے کھڑے ہیں لیکن وہ تن تنہا لڑتا بھڑتا آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے، لیجیے وہ ساحلِ دریا تک پہنچ گیا اور مشکیزہ پانی سے بھر لیا۔ وہ زخموں سے نڈھال اور شدتِ عطش سے بے قرار ہے۔ پانی کے کنارے پر کھڑا ہے لیکن پانی منہ میں نہیں ڈالتا، کہ جب تک قافلہ سالارِ دشتِ کربلا اور ننھے ننھے بچے اور مستورات پانی نہ پی لیں، خود پانی پینا شانِ مردانگی نہیں۔ آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو۔ اس شہسوار کا نام عباس علمبردار ہے۔ وہ لوٹا تو فوجِ اعدا اس پر ٹوٹ پڑی۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ اکیلا پروں کے پرے صاف کر رہا ہے۔ خود بھی لہولہان اور خون کی ندیاں بھی بہا رہا ہے۔ اس کی انتہائی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح پانی کا مشکیزہ بچا کر خیموں تک پہنچ جائے۔ لیجیے اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا ہے لیکن وہ بائیں ہاتھ میں مشکیزہ تھامے ہوئے ہے۔ اب بایاں ہاتھ بھی کٹ چکا ہے لیکن وہ دانتوں سے مشکیزہ تھامے ہوئے ہے۔ اب مشکیزہ میں ایک تیر آ کے لگا ہے اور اس کا پانی بہہ نکلا ہے۔ نوجوان غازی نگاہِ حسرت سے خالی مشکیزے اور پھر خیموں کی طرف نگاہ ڈالتا ہوا گر جاتا ہے۔ یہ شرافت اور شجاعت کا وہ محیر العقول واقعہ ہے جس کو تاریخِ انسانیت کبھی بھلا نہ سکے گی۔

اسی میدان میں دیکھیے ایک نوجوان کس جرأت و ہمت سے بڑھ رہا ہے۔ عزم و شجاعت کا مجسمہ، نجابت و شرافت کا مرقع، نہ اپنی قلت کا فکر، نہ دشمن کی کثرت سے خائف، محبتِ مقصد کے نشہ میں سرشار، مردانہ وار مبارز طلبی کرتا ہے، بظاہر چہرہ پیاس کی شدت سے نڈھال ہے، لیکن نگاہوں سے مصطفیٰ ﷺ کا جمال اور جبیں سے مرتضیٰؓ کا جلال آشکار ہے۔ وہ زخموں پر زخم کھا رہا ہے، لیکن موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا رہا ہے۔ وہ عالمِ نزع میں ہے اور اس کا مقدس باپ اپنے لختِ جگر کے پیکرِ صد چاک کو آغوش میں لیے پوچھ رہا ہے کہ جانِ پدر تو نے موت کو کیا پایا۔ تو بیٹا مسکرا کر جواب دیتا ہے کہ ابا جان میں اس موت کو شہد سے بھی شیریں پا رہا ہوں۔ اب پیاس مٹ گئی کہ رسالت مآب ﷺ ہاتھ میں جامِ کوثر لیے ہوئے مجھے بلا رہے ہیں۔

یہ ہم شبیہِ مصطفیٰ ﷺ اور نورِ نگاہِ مرتضیٰؓ شہزادۂ والا جاہ علی اکبرؓ ہیں۔

اب اسی کارزارِ بے آب و گیاہ میں کشتوں کے پشتوں کے درمیان گھرا ہوا، جلتے ہوئے خیموں کی طرف پشت کیے ہوئے، زخموں سے چور، لیکن مستیِ محبت میں سرشار ایک غازی دست بستہ رو بقبلہ کھڑا ہے۔ جن و ملائک اس کی اس ادائے عبودیت کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ تربیتِ نبوت کا شاہکار ہے۔ یہ روحِ اسلام کا آئینہ دار ہے۔ اس کے خونِ رنگین کے چھینٹوں سے گلشنِ شرافت پُربہار ہے اور اس کی ہمتِ مردانہ پر بقائے حریت کا دار و مدار ہے۔ یہ وہ جاں نثار ہے جس نے حسنِ بے نیاز کی ہر فرمائش کو کما حقہٗ پورا کر دیا ہے اور وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ
ربانی صدیق

عظمتِ فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں

قرآن کریم کی وہ صدہا آیات جن میں مومنین، مہاجرین، مجاہدین اور شہداء کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام تعریفوں اور توصیفوں کے بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں۔ آپ ایمان لائے، ہجرت بھی کی، جانی اور مالی جہاد میں بھی پیش پیش رہے اور جامِ شہادت بھی نوش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جن پاکبازوں اور جاں نثاروں کے بارے میں اولئك هم المومنون حقا (یہی لوگ سچے مومن ہیں) کی شہادت دی ہے اور جنہیں بارگاہِ خداوند ذوالجلال سے لقد رضی اللہ عن المومنین کا مژدۂ جانفزا سنایا ہے، ان کی عظمتِ شان اور رفعتِ منزلت کے اظہار کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں ان صفحات میں ان ارشادات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو سرورِ عالم، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمائے تاکہ قارئین کرام کو پتہ چل جائے کہ جس باغبان نے یہ پودا لگایا اس کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے، جس استاد نے اس کی تربیت کی اسے اس شاگردِ رشید پر کتنا فخر اور ناز ہے، جس مرشدِ کامل نے اپنی نگاہِ فیض سے اپنے اس مریدِ باصفا کا تزکیۂ قلب و نظر کیا۔ اس کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق اگر کسی بدبخت کو اپنے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی منظور نہ ہو اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی بھی اسے قبول نہ ہو تو وہ اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ضرورت نہیں۔ حضور علیہ السلام کو بھی اس کی پروا نہیں۔ اس کے شبانہ روز واویلا سے پیر ایمان و حکمت کا یہ تابندہ آفتاب گہنا نہیں جائے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کے مشرکین نے ایک طوفان برپا کر دیا، وہی زبانیں جو پہلے مدح کے پھول نچھاور کیا کرتی تھیں وہ اب طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگیں۔ وہ نگاہیں جو فرطِ عقیدت سے راہوں میں بچھی جاتی تھیں ان سے غیظ و غضب کے شعلے لپکنے لگے۔ صلۂ رحمی اور قرابتداری کے سارے رشتے ٹوٹ گئے۔ جور و جفا اور ظلم و ستم کے ایک کربناک دور کا آغاز ہو گیا۔ مٹھی بھر

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری

مسلمان جو نعمتِ ایمان سے مالا مال ہوئے تھے وہ اہلِ مکہ کی اجتماعی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے گھر میں عبادت کیا کرتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر دارِ ارقم میں تشریف فرما ہوتے اور جاں نثار غلام وہیں شرفِ دیدار سے مشرف ہوتے۔ اگرچہ حضور پر ایمان لانے والے سب مخلص تھے اور اپنے محبوب کے ادنیٰ اشارہ پر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے لئے تیار تھے، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان مخلص ساتھیوں کو بلاوجہ اور قبل از وقت غیر ضروری آزمائش میں مبتلا کرنا مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ آئے روز کفار کی زیادتیاں بڑھتی جاتی تھیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رای عمر بن الخطاب او ابا جهل بن هشام قال اللهم اشدد دینك باحبهما الیك

(طبقات ابن سعد)

"یعنی جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمر بن الخطاب یا ابوجہل بن ہشام کو دیکھتے اپنے مولا کریم کے حضور میں دعا کرتے اے اللہ! ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے اپنے دین کو قوت عطا فرما!"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی:

اللهم اعز الاسلام بعمر:

"اے اللہ! اسلام کو عمر سے عزت عطا فرما!"

دوسری روایت میں ہے:

اللهم اید الدین بعمر بن الخطاب۔

"اے اللہ! عمر بن الخطاب سے اپنے دین کی مدد فرما۔" (مستدرک)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دل سے نکلی ہوئی دعا کو قبول فرمایا اور قبولیتِ دعا کی یہ کمند ایک روز عمر کو کشاں کشاں لے آئی اور اسے دارِ ارقم کے دروازہ پر لا کھڑا کیا جہاں اللہ تعالیٰ کا حبیب اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! دروازہ پر عمر کھڑا ہے اور گلے میں ننگی تلوار حمائل کئے ہے۔ تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر اپنا دامنِ دعا بارگاہِ خداوند ذوالجلال میں پھیلا دیا اور عرض کی:

اللهم هذا عمر بن الخطاب۔ اللهم اعز الدین بعمر بن خطاب! (ابن سعد)

"الٰہی یہ عمر دروازہ پر کھڑا ہے۔ میرے مالک عمر کو مشرف باسلام کر اور اسکے

مسلمان ہونے سے اپنے دین کو عزت بخش "

ادھر زبانِ مصطفوی سے یہ جملہ نکلا ادھر اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کے دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیا۔ عمرؓ بے اختیار پکار اُٹھے ؛

اشھد انك رسول الله۔

" اے اپنے خون کے پیاسوں کے لئے ہدایت کی دُعا مانگنے والے ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے "

مرشدِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرؓ کو اپنے پاس بٹھایا، اپنا دستِ فیض بخش تین مرتبہ ان کے سینہ پر پھیرا اور دُعا کی ؛

اللھم اخرج مافی صدرہ من غل و بدله ایمانا یقول ذالك ثلاثا۔ (مستدرک)

" الٰہی اس کے سینہ میں جو غل و غش ہے اس کو نکال دے اور اس کے بدلے اس کو نورِ ایمان سے پُر کر دے "

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قسمت پر جتنا ناز کریں کم ہے۔ یہ سعادت ان کے بغیر اور کس کو نصیب ہوئی۔ نبی پاکؐ نے دامن دعا پھیلا کر اپنے رب سے ان کے لئے سوال کیا اور اس نے اس کو اپنے رب سے مانگ کر اس کے اسلام لانے سے دین کو عزت و قوت نصیب ہو۔ پھر اپنے پاس بٹھا کر ان کے سینہ پر بار بار ہاتھ پھیرا اس کو ہر غل و غش سے اور ہر نوع کی کدورت سے پاک و صاف کر دیا اور اس کے بدلے میں ایمان کی شمع فروزاں کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے تمام صحابہؓ نے فرطِ مسرت سے بڑے جوش و خروش سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے جس سے مکہ کی وادی گونج اُٹھی۔ آج صرف نبی رحمتؐ ہی خوش و خرم نہ تھے صرف صحابہؓ ہی مسرور نہ تھے بلکہ عالمِ بالا سے تہنیت کے پیغام آ رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ؛

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما اسلم عمر اتانی جبرائیل فقال استبشر اهل السماء باسلام عمر۔ (ابن سعد)

یعنی حضرت [illegible] نے فرمایا جب عمرؓ مسلمان [illegible] جبرائیل [illegible] آئے اور [illegible] [illegible] اسلام

ہونے سے آسمان میں بھی خوشیاں منائی جا رہی ہیں "

جس مقصد کے لئے حضورؐ نے دُعائیں مانگی تھیں جس کے راہِ راست پر آنے سے سرزمینِ آسمان کے اہلِ حق شاداں و فرحاں تھے اس کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے ؛

والله ما استطعنا ان نصلی عند الکعبة ظاهرین حتی اسلم عمر۔ (مستدرک)

" بخدا ! ہم کعبہ کے پاس کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اسلام لائے "

حضرت صہیب ابن سنانؓ سے مروی ہے۔

قال لما اسلم عمر ظهر الاسلام ودعی الیه علانیة وجلسنا حول البیت حلقا وطفنا بالبیت وانتصفنا ممن غلظ علینا

ادھر زبانِ مصطفویؐ سے
یہ جملہ نکلا
اُدھر اللہ تعالیٰ نے
عمرؓ کے دل کو
نورِ ایمان سے منور کر دیا

" جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ اس کی تبلیغ اعلانیہ شروع ہوئی۔ ہم حلقے باندھ کر کعبہ کے اردگرد بیٹھنے لگے۔ بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ اب جو ہم پر زیادتی کرتا ہم اس سے بدلہ لینے کے قابل ہو گئے "

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ؛

کان اسلام عمر فتحا وکانت هجرته نصرا وکانت امارته رحمة لقد رأیتنا ما نستطیع ان نصلی بالبیت حتی اسلم عمر فلما اسلم عمر قاتلهم حتی ترکونا فصلینا۔ (ابن سعد)

" یعنی حضرت عمرؓ کا اسلام قبول فرمانا ہمارے لئے فتح مبین تھی، آپ کی ہجرت ہمارے

لئے نصرتِ الٰہی تھی۔ آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی۔ میں نے وہ دن دیکھے ہیں جب ہم بیت اللہ شریف کے نزدیک نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے کفار سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھنے کی آزادی دے دی "

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیبت و جلالت سے صرف مکہ کے مشرکوں کا ہی زہرہ آب نہ تھا بلکہ ابلیس لعین بھی آپ سے لرزہ براندام رہتا تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے کتاب المناقب میں ایک حدیث روایت کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ؛

وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم۔ ایها یا ابن الخطاب والذی نفسی بیده۔ مالقیك الشیطان سالکا فجا قط الا سلك فجا غیر فجك۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب ! اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے شیطان جس راہ پر آپ کو گزرتے ہوئے پاتا ہے وہ اس رستہ سے ہٹ جاتا ہے اور کسی دوسری راہ پر چلنے لگتا ہے "

کیا شان ہے عمرؓ کی ! کیا جلال خداداد ہے فاروقِ اعظمؓ کا کہ شیطان اس کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ جس راہ پر آپ کا نقشِ پا ثبت ہو ابلیس کی مجال نہیں کہ ادھر کا رُخ کر سکے۔

اے عمرؓ آپ پر ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں، تیری سطوت و جلال سے شیطان کے چیلے ہی نہیں، باطل کے پرستار ہی نہیں خود شیطان اور سارا باطل تھر تھر کانپ رہا ہے۔

حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؛

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الله جعل الحق علی لسان عمر وقلبه وهو الفاروق۔ فرق الله بین الحق و الباطل۔ (ابن سعد)

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان پر جاری کر دیا ہے اور اس کے دل میں ثبت کر دیا ہے، وہ فاروق ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق و باطل میں تفریق کر دی ہے۔

اسی ارشاد گرامی کے ہم معنی ایک حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ملاحظہ فرمایئے،

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال مرفتی علی عمر وقال عمر نعم الفتیٰ۔ قال فتبعہ ابوذر فقال یا اخی استغفر لی فقال یا اباذر استغفر لک وانت صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال استغفر لی قال لا او تخبرنی قال انک مررت علی عمر رضی اللہ عنہ وقال نعم الفتیٰ وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ (مستدرک)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس سے ایک نوجوان گزرا آپ نے فرمایا، اچھا کیا نوجوان ہے۔ ابوذر اس کے پیچھے گئے اور اسے کہا اے بھائی! میرے لئے مغفرت کی دُعا کرو اس نوجوان نے کہا اے ابوذر کیا میں آپ کے لئے مغفرت کی دُعا مانگوں حالانکہ آپ صحابی ہیں۔ ابوذر نے پھر کہا میرے لئے مغفرت کی دُعا مانگو۔ اس نے کہا جب تک آپ اس کی وجہ نہیں بتائیں گے میں دُعا نہیں مانگوں گا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ جب تم حضرت عمر فاروقؓ کے قریب سے گزرے تو آپ نے تیرے متعلق کہا اچھا کیا نوجوان ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا۔

بیشک کوئی اور حق نہیں اس علم و عرفان کا جیسی شمع تھا جس کے سمندر آپ کے سینے میں ٹھاٹھیں مارتے تھے۔ فاروقی علوم و معارف کا سرچشمہ وہ علم

دراصل تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد و بے کراں مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت امام بخاری اپنی صحیح کے کتاب العلم میں روایت کرتے ہیں،

اخبرنی حمزۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال بینا انا نائم شربت یعنی اللبن حتی انظر الی الری یجری فی ظفری او فی اظفاری ثم ناولت عمر فقالوا ما اولتہ قال العلم۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا حالت خواب میں میں نے دُودھ پیا۔ یہاں تک کہ اس سے میں سیراب ہو گیا اور اس سیرابی کے آثار میرے ناخنوں میں نمایاں ہونے لگے پھر میں نے وہ دُودھ حضرت عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے، فرمایا علم۔

سبحان اللہ حضرت فاروق اعظمؓ کا علم، علم نبوت کا فیضان ہے جس میں جہالت، خطا و فہمی، شک و ارتیاب کا دُور دُور تک بھی گذر نہیں ہو سکتا وہ تو ہمہ تن نور ہے وہ یقین ہی یقین ہے۔

ویسے بھی اگر کوئی خواب دیکھے کہ وہ دُودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر علم کی جاتی ہے۔ یہاں دودھ دینے والا کوئی فرشتہ نہیں، کوئی ولی اللہ نہیں کوئی ولی نہیں، کوئی دوسرا نبی اور رسول نہیں بلکہ سید الانبیاء و ختم رسل و ولد آدم کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر ہے حضورؐ اپنے دست پاک سے عمرؓ کو دُودھ پلاتے ہیں۔ ویسے ہی نہیں بلکہ اپنا

جھوٹا دُودھ، اپنے لعاب اطہر سے ملوث کر کے، اپنے لعاب دہن کی آمیزش کے بعد۔

اس ایک ارشاد رسالت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے علم و فضل کا کیا پایہ ہے۔ آپ کی حق گوئی اور حقیقت شناسی اسی بحر علم کا فیضان عمیم ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہر علوم و معارف کا شہر ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ اسی شہر کا ایک بلند و بالا محل ہیں جس طرح اس شہر علم کا دروازہ سیدنا علیؓ ہیں اسی طرح اس شہر کا دروازہ بھی علیؓ ہی ہیں اور جس لعاب دہن نے حضرت علیؓ کی دکھتی آنکھوں کو شفا بخشی اسی لعاب دہن نے اس دودھ میں آمیزش ہو کر حضرت فاروقؓ کے دیدۂ دل کو شفا بخش دی اور اسے بینا کر دیا۔

اسی نور بصیرت کے باعث جو حضورؐ کی برکت سے حضرت فاروق اعظمؓ کو نصیب ہوا تھا، حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق یہ کلمات طیبات ارشاد فرمائے،

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون۔ فان یک فی امتی احد فانہ عمر۔

اس حدیث کا ترجمہ پڑھنے سے پہلے محدث کا مفہوم ذہن نشین فرما لیجئے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں،

المحدث الملھم ھو من القی فی روعہ شیء من قبل الملاء الاعلیٰ ومن یجری الصواب علی لسانہ بغیر قصد۔

یعنی جس کی طرف من جانب اللہ الہام کیا جائے عالم بالا سے جس کے دل میں حقائق کا القا کیا جائے بغیر ارادہ اور قصد کے جس کی زبان حق کی ترجمان بن جائے یعنی اس کی زبان سے جو نکلے وہ حق اور سچ ہو۔

اب حدیث کا لفظی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے یعنی کہ زبان حق کی ترجمانی ہوا کرتی تھی اور میری اُمت میں اگر کوئی محدث

فاروق اعظمؓ کے متعلق اگر کسی
خفتہ بخت کو اللہ تعالیٰ کا
ارشاد اور رحمت دو عالمؐ
کی گواہی قبول نہ ہو
تو وہ جان لے کہ اللہ کو
بھی اس کی ضرورت نہیں

ہے تو وہ عمر ہے۔"

گویا نگاہِ فاروق رضؓ کے سامنے سے تمام حجابات اٹھ دیئے گئے تھے۔ حقائق و اسرار آپؓ کے سامنے آشکارا تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی ہر تدبیر ہم آہنگِ تقدیر تھی، جو قدم اُٹھتا راست سمت میں اٹھتا، جو کام کیا انجام کو پہنچا۔ ہر منصوبہ کامیاب رہا۔ آپ کے لشکر نے جدھر کا رخ کیا فتح و نصرت نے قدم چومے۔ ہے کوئی دنیا کا فاتح، کوئی جرنیل، کوئی جہانبان کوئی تاجدار، جو کسی پہلو سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بوریہ نشین درویش کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ نہ اس کے مرشدِ کامل کا کوئی مثیل ہے اور نہ اس مرید باصفا کی کوئی نظیر۔

محبوبِ رب العالمین کا ایک قول ملاحظہ فرمایئے یہ بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینا انا نائم رایت الناس عرضوا علیّ وعلیھم قمص فمنھا ما یبلغ الثدی ومنھا ما یبلغ دون ذلک وعُرِض علیّ عمر وعلیہ قمیص لجترہ قالوا فما اولتہ یا رسول اللہ: قال الدین۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا، میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور انہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی ہیں۔ کسی کی قمیص سینہ تک ہے اور کسی کی اس سے نیچے۔ حضرت عمرؓ کو بھی مجھ پر پیش کیا گیا۔ انہوں نے ایسی فراخ اور لمبی قمیص پہنی ہوئی تھی جو زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ آپ نے فرمایا: دین۔"

بارگاہِ رسالت سے آپ کو جو ان گنت نعمتیں اور برکتیں ارزانی ہو گئی تھیں، جس نورِ علم و عرفان سے آپ کو نوازا گیا تھا، دین و ایمان کی جو خلعت

> **حضورؐ نے فرمایا، جبرئیل میرے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ عمر رضؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے آسمان میں بھی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔**

فاخرہ آپ کو پہنائی گئی تھی۔ آپ کے قلبِ مزکّی پر عالمِ بالا سے جو تجلیات کا ہر لحظہ نزول ہوتا رہتا تھا انہی کے پیشِ نظر رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

لو کان بعدی نبی لکان عمر

"اگر میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔"

معلوم ہوا کہ آپ تکمیلِ انسانیت کے اس ارفع مقام پر فائز تھے جس سے آگے نبوت کا مقام ہے۔ خاتم الانبیاءؐ کے تشریف لانے کے بعد وہاں رسائی ناممکن ہے۔ جب حضرت فاروقِ اعظم جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت نبوت کے حریمِ قدس میں قدم نہیں رکھ سکتی تو اور کون ہے جو اس کی تمنا کر سکے۔

ایک دفعہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تو اس بندہ نواز آقا نے ارشاد فرمایا:

یا اخی اشرکنا فی صالح دعائک ولا تنسنا۔

"اے میرے بھائی! اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی شریک کرنا اور ہمیں فراموش نہ کرنا۔"

حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا اخی (اے میرے بھائی) فرمانا میرے نزدیک دُنیا بھر کی عزتوں سے زیادہ سرمایۂ افتخار ہے۔

جس فرخندہ بخت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مانگ لیا ہو، جس کے مشرف باسلام ہونے سے اسلامی شوکت کے دور کا آغاز ہوا ہو، جس کو مصطفےٰ کریمؐ نے علوم لدنیہ سے سیراب کیا ہو، اس کے انجام کے بارے میں شک و شبہ کی کہاں گنجائش ہو سکتی ہے لیکن مختلف مواقع پر بڑے دلربا انداز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام لے کر بڑی صراحت سے آپ کے جنتی ہونے اور بارگاہِ رب العزت میں بلند درجات پر فائز ہونے کی رُوح پرور بشارتیں دیں، آپ بھی پڑھئے اور اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند کی جلالتِ شان کا اندازہ لگایئے:

عن ابی الاشھب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای علی عمر قمیصا فقال اجدید ام لبیس فقال لا بل لبیس فقال البس جدیدا وعش حمیدا وتوفّ شھیدا ولیعطیک اللہ قرۃ عین الدنیا والاخرۃ۔ (ابن سعد)

ترجمہ: ابوالاشہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک قمیص پہنے ہوئے دیکھا۔ دریافت فرمایا کیا یہ نئی قمیص ہے یا مستعمل۔ عرض کیا نہیں میرے آقا! یہ مستعمل ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے عمر! نئی قمیص پہنو، تم قابلِ تعریف زندگی بسر کرو گے۔ تمہیں شرفِ شہادت بخشا جائے گا اور (اے میرے درویش) تجھے اللہ تعالیٰ وہ دے گا جس سے دُنیا و آخرت میں تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔"

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں:

عن ابی موسیٰ قال کنت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی حائط من حیطان المدینۃ فجاء رجل فاستفتح فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افتح لہ وبشرہ بالجنۃ ففتحت لہ فاذا ھو ابوبکر۔ فبشرتہ

بعض اوقات ہم کعبہ کے پاس کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اسلام لائے۔

بما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فحمد اللہ ثم جاء رجل فاستفتح فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتح لہ وبشرہ بالجنۃ ففتحت لہ فاذا ھو عمر۔ فاخبرتہ بما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فحمد اللہ ثم استفتح رجل فقال لی افتح لہ وبشرہ بالجنۃ علی بلوی تصیبہ فاذا عثمان فاخبرتہ بما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحمد اللہ ثم قال واللہ المستعان۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے باغات میں سے ایک باغ میں میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ باہر سے ایک آدمی آیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حکم دیا جاؤ اس کے لئے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا وہاں ابوبکر کھڑے تھے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق میں نے انہیں بشارت دی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ ان کے بعد ایک اور آدمی آیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ حضورؐ نے فرمایا اس کے لئے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی خوشخبری دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہاں حضرت عمرؓ کو کھڑا پایا۔ میں نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق خوشخبری دی۔ انہوں نے بھی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے دستک دی پھر حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ اس کے لئے دروازہ کھولو اسے جنت کی خوشخبری دو لیکن اسے آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔ میں نے دروازہ کھولا تو حضرت عثمانؓ کو کھڑا پایا۔ رسول کریمؐ کا ارشاد گرامی میں نے انہیں سنایا۔ انہوں نے سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر کہا واللہ المستعان آزمائش کی ان گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ میرا مددگار ہو۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث سماعت فرمایئے۔

اگر میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے (حدیث رسولؐ)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور سرور عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے حضورؐ کی معیت میں ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے (جلال نبوت کی تاب نہ لا کر) احد کا پہاڑ لرزنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدم مبارک سے اس کو ٹھوکر ماری اور فرمایا "اثبت احد وما علیک الا نبی او صدیق او شہید۔ اے احد! ٹھہر جا۔ تجھ پر اس وقت نبی، صدیق یا شہید کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

آپ کو یقین تھا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی جو بشارت انہیں دی ہیں وہ ضرور پوری ہوں گی لیکن آپ کو اس کے علاوہ ایک اور آرزو بے چین رکھا کرتی اس لئے آپ اکثر بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کیا کرتے۔

"الٰہی! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی عطا فرما نیز مجھے موت آئے تو تیرے حبیب کے اس پیارے شہر میں آئے۔"

آپ کی یہ دعا بھی منظور ہوئی آپ کو شہادت کا تاج پہنایا گیا اور یہ تاجپوشی آپ کی تمنا کے مطابق مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ رحمت الٰہی نے اسکے لئے مسجد نبوی کی وہ مبارک جگہ منتخب فرمائی جو اس کے محبوبؐ کے سجدوں سے معزز و محترم تھی اور اس وقت یہ انعام بخشا گیا جب آپ صبح کی نماز امامت کرا رہے تھے۔ زبان اس کے کلام مقدس کی تلاوت سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور دل اسکے عشق و محبت سے سرشار تھا۔ پھر ابدی آرامگاہ نصیب ہوئی تو اپنے مرشد، اپنے مربی، اپنے نبی اور اپنے رب کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں۔

●●

بقیہ: حیات جاوداں

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

کی تفسیر اپنے خون مشکبو سے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر کچھ اس طرح رقم کی، کہ حوادثات روزگار اس کو تاقیامت مٹا نہیں سکتے۔ اس امتحان گاہ صبر و رضا میں حضرت امام عالی مقام نے ختم کی بجائے برادر کی قربانی پیش کی اور گوشہ کے دلبند کو حق کی راہ میں قربان کر دیا۔

متاع حیات کی وہ کونسی جنس گرانمایہ ہے جو کربلا میں محبت کی بھینٹ نہ چڑھا دی گئی ہو اور وفا کی وہ کونسی آزمائش ہے جس میں کامیابی سے پورا نہ اترا گیا ہو۔ قربانی کا یہ مقام ترقی کی انتہا ہے، شہادت کا یہ انداز صداقت کی انتہا ہے اور موت کا یہ اسلوب حیات ابدی کا حامل ہے۔

اسی جانفروشی کے صلہ میں بارگاہ حسن سے عشق صادق کو "وبشر الصابرین" کا انعام ملا اور "بل احیاء ولکن لا تشعرون" کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی۔

بچے ذبح ہو گئے، خیمے جل گئے، لاشے بے گور و کفن پامال ہوتے رہے۔ مخدرات عصمت آب اسیر سلاسل ہو گئیں۔ غرضیکہ ظلم و جور کی انتہا ہو گئی، لیکن صبر و وفا نے بھی ریگزار کربلا پر اپنے خون رنگین سے وہ گل بوٹے تراشے کہ رہتی دنیا تک انسانیت اس خاک پاک پر عقیدت کے پھول اور نیاز کے دُرِ شاہوار نچھاور کرتی رہے گی۔

شمر اور زیاد کا مآل اور یزید کی شوکت شاہانہ کا مآل دنیا دیکھ چکی۔ آج یہ نام صفحات تاریخ پر حرف غلط کی طرح موجود ہیں لیکن حضرت حسینؓ اور ان کے وفا شعار رفقاء کے تذکار جان ایمان ہیں اور دلوں کی دھڑکنوں میں محفوظ ہیں۔ آج تاریخ سے پوچھئے کہ کربلا میں کون جیتا اور کون ہارا؟ کسے ابدی موت ملی اور کس نے حیات جاوداں پائی۔ ہمارے لاکھوں سلام ہوں ان پیکران صبر و رضا پر، اور ان سرمستان بادہ وفا پر جنہوں نے فانی پر باقی کو اور دنیا پر دین کو ترجیح دی اور "بل احیاء ولکن لا تشعرون" کے امتیاز سے سرفراز ہوئے۔

اے حسین ابن علیؓ تم پر سلام۔ نازش آل نبیؐ تم پر سلام
تم پہ لاکھوں ہاں کروڑوں سلام۔ اے شہیدان محبت کے امام
لا دگر، لا ابدان، لا لکفنی۔ اے چمن اندر چمن اندر چمن
از زندگی ہے زندگی تیری حیات۔ اے حیات اندر حیات اندر حیات
افتخار ملت بیضا ہے تو
رب کعبہ کی قسم یکتا ہے تو

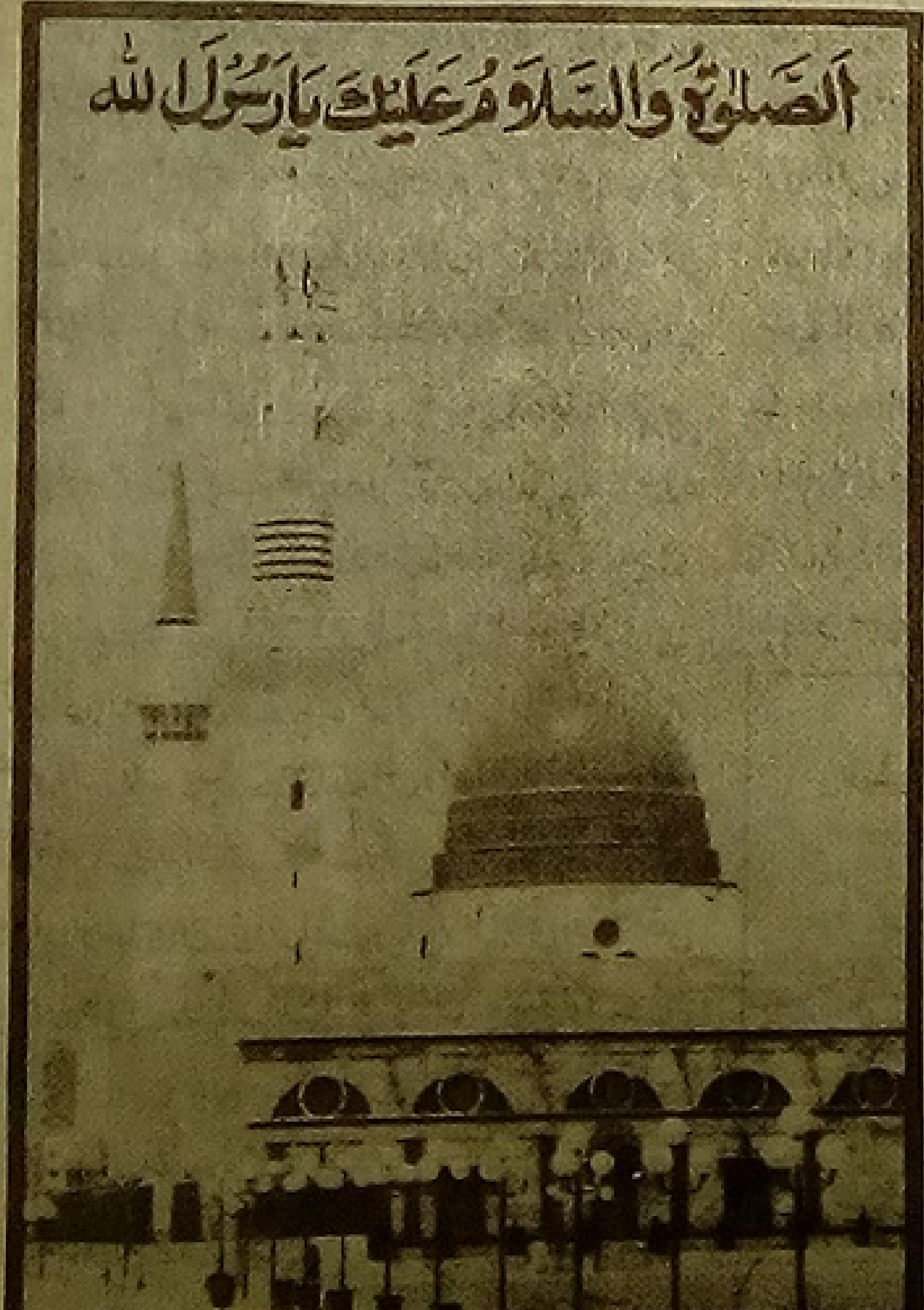
سلطان نورالدین زنگیؒ

چھٹی صدی ہجری میں شام کے ساحل پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خونریز جنگیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف دمشق کا مردِ مجاہد سلطان نورالدین اپنے چند ہزار فدا کاروں کے ساتھ اس سیلاب کو روکنے کے لیے کھڑا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے عیسائیت کے طوفان کو روکنے کا تہیہ کر لیا۔ خوب معرکے ہوئے اور ہر بار اللہ والوں کا پلڑا بھاری رہا۔ عیسائیوں نے سوچا کہ اگر بانیٔ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس ہی مدینہ طیبہ سے نکال لائیں تو انہیں اپنے مذہب کے بارے میں جو خوش فہمیاں ہو رہی ہیں وہ دور ہو جائیں گی ان کے ذہنوں میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو حیات بعد از ممات کا تصور ہے وہ مٹ جائے گا اور وہ اس جوش و غروش سے نہیں لڑ سکیں گے جیسا کہ اب لڑتے ہیں چنانچہ دو عیسائیوں کو بہت سا ساز و سامان دیکر مدینہ عالیہ روانہ کیا۔ یہ زنگی مغربی حاجیوں کے لباس میں مدینہ منورہ میں وارد ہوئے شہر کے فقراء و مساکین میں بہت سی رقم ان دونوں نے بطور خیرات کے تقسیم کی حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخ اور خدام کو بھی بہت کچھ نذر کیا اور نہایت عقیدت اور وارفتگی سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذارنے لگے اہل مدینہ پر ان لوگوں نے اپنی ریاضت و عبادت کا سکہ جما لیا تو پھر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے حجرہ شریف کے ساتھ شمالی جانب امہات المومنین کے جو مکانات تھے وہ داخل مسجد ہو چکے تھے صرف جنوبی طرف کے مکانات قریب پڑتے تھے انہوں نے قبلہ کی دیوار کے قریب مکان کرائے پر لے لیا اب اللہ کے راستے میں کوئی مشکل حائل نہ تھی یہ دن میں مشکوں میں پانی بھر کر جنت البقیع اور قبا وغیرہ کی زیارت گاہوں میں گھوم پھر کر پانی پلاتے اگر کوئی ان سے حالات دریافت کرتا تو نہایت مسکینی سے کہتے کہ ہم تو محض اس لئے ترک وطن کر کے آئے ہیں کہ جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر عبادت اور اطاعت الٰہی میں زندگی بسر کریں۔ مدینے کے لوگوں نے جب ان کی یہ پر فریب عبادت، اطاعت، خیرات و صدقات اور انہیں قبا سے احد تک مشکیں بھر بھر کر پانی پلاتے دیکھا تو ان کے گرویدہ ہو گئے ہر محلہ اور ہر گھر میں

محمد انیس قادری

ان کی نیکی کا چرچا ہونے لگا اور کسی کو گمان تک نہ ہو سکا کہ اس زہد و ریاضت کے پردہ میں شیطان اپنی پوری قوت سے کام کر رہا ہے اور یہ بظاہر تابعدارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہ باطن زنگی ہیں۔

سلطان عادل نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تہجد کے بعد ایک رات میں تین مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو شخصوں کو دکھلا کر یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو، تم ان دونوں سے مجھ کو بہت جلد بچاؤ" سلطان یہ خواب دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اپنے دیندار و صالح وزیر جمال الدین موصلی سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا تو وزیر موصوف نے بے چین ہو کر انتہائی اضطراب میں یہ عرض کیا کہ اے سلطان عادل! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت بڑا حادثہ نمودار ہونے والا ہے لہٰذا اب ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارا



حضورؐ نے دو شخصوں کو دکھلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو

سلطان نور الدین زنگیؒ نے نصرانی سازش کو ناکام بنادیا

یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اور انتہائی ضروری ہے کہ ہم دونوں نہایت خاموشی کے ساتھ بالکل پر اسرار طریقہ پر مدینہ منورہ حاضر ہو جائیں چنانچہ صبح صادق طلوع ہوئی۔ سلطان نے غسل کر کے کپڑے بدلے اور صبح کی نماز مسجد میں جاکر ادا کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ہمراہیوں کے ساتھ ارض مقدس روانہ ہو گیا۔ دمشق سے بیت المقدس اور پھر تبوک سے خیبر اڑتا چلا جا رہا تھا اگرچہ جمال الدین موصلی بہت جفاکش اور بہادر سپاہی تھا مگر وہ بھی گھوڑا ساتھ نہیں ملا سکتا تھا اور جانثار ہمراہی بھی پیچھے گرد چاٹتے چلے آرہے تھے راستے میں گھوڑے بدلتے رہے مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا گھنٹوں میں طے کر کے زمین کی طنابیں کھینچتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پروانے سولہویں دن بلا اطلاع مدینہ جا پہنچے ان کے چہرے غبار آلود ہو رہے تھے لباس پر گرد سے کئی تہیں جمی ہوئی تھیں ادب کا تقاضا تھا کہ نہا دھو کر باریاب ہوں مگر دل بیقرار تھا آنکھیں چاہتی تھیں کہ ایک لمحہ کا بھی توقف نہ ہو گھوڑوں کو جبل سلع کے قریب نفس زکیہ کے آستان پر چھوڑا اور خود اسی ہیت کذائی سے روضہ مطہرہ جا پہنچا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز دوگانہ ادا کر کے صلوٰۃ والسلام عرض کیا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حجرہ شریف کو بخیر و خوبی دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور صحن مسجد میں بیٹھ گئے اور وزیر نے یہ اعلان کیا کہ سلطان اس وقت قبر انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور اہل مدینہ کو نذرانہ عقیدت کے طور پر ایک کثیر رقم پر ہر فرد کو مرحمت فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ کا ہر باشندہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا اپنا نذرانہ لے جائے چنانچہ تمام اہل مدینہ حضور سلطانی میں آکر نذرانہ وصول کرتے رہے مگر جن دو افراد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دکھلایا تھا وہ دونوں نظر نہیں آئے یہاں تک کہ جب لوگوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا تو سلطان نے دریافت فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا جو ابھی تک نذرانہ لینے نہیں آیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ باشندگان مدینہ میں سے تو کوئی شخص بھی باقی نہیں رہا مگر روم کے رہنے والے دو انتہائی عابد و زاہد آدمی ایسے ہیں جو کبھی کسی کا عطیہ قبول نہیں کرتے بلکہ خود بے شمار مال مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے رہتے ہیں صرف یہی دونوں ابھی تک بارگاہ سلطانی میں حاضر نہیں ہوئے سلطان نے فوراً ہی ان دونوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ جب یہ دونوں سلطان کے سامنے آئے تو حیرت و استعجاب سے سلطان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں سلطان بولا! صدق اللہ و صدق رسول النبی الکریم یہی وہ دونوں شخص تھے جن کو خواب میں دکھلا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ۔ اے نور الدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو" سلطان نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ دونوں نے جواب دیا ہم لوگ روم کے رہنے والے ہیں امسال ہم حج کے لئے آئے تھے اور ایک سال تک کے لئے ہم نے یہاں مدینہ منورہ کے مجاور بن کر رہنے کا عزم کر لیا ہے سلطان نے غضب سے تیوری چڑھا کر فرمایا۔ تم لوگ سچ سچ بولو مگر وہ دونوں ہر بار نہایت جرأت کے ساتھ یہی کہتے رہے بالآخر سلطان نے ان دونوں کی قیام گاہ کا پتہ دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں روضۂ منورہ کے بالکل قریب مقیم ہیں سلطان نے ان دونوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور خود اکیلا ان دونوں کے کمرہ میں داخل ہو گیا تو دیکھا کہ کمرہ میں بے شمار درہم و دینار کا انبار لگا ہوا ہے طاقوں پر چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور دو مصلے پڑے ہیں کمرے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی سامان نظر نہیں آیا۔ سلطان نے جب اہل مدینہ کے عمائد و اشراف سے دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو سب بالاتفاق کہنے لگے یہ دونوں نہایت ہی مرد صالح ہمیشہ کے روزہ دار زاہد شب دار اور تہجد گزار ہیں۔ دن رات روضہ منورہ پر حاضر رہتے ہیں روز صبح کو جنت البقیع اور مسجد قبا کی زیارت کے لئے جاتے ہیں کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے اور امسال قحط سالی مدینہ منورہ کے باشندوں کی بے انتہا مالی مدد کرتے رہے ہیں سلطان ان دونوں کی زاہدانہ صورتوں کو دیکھ کر اور اہل مدینہ کی مدح سرائی سن سن کر محو حیرت تھا اور پیکر تعجب بن کر کمرے میں بار بار چکر لگا رہا اور نیچے اوپر دیکھتا رہا یہاں تک کہ سلطان نے کمرے کی چٹائی کو اٹھانے کا حکم دیا جب چٹائی اٹھائی گئی تو ناگہاں یہ نظر آیا کہ زمین میں اتنی گہری سرنگ کھودی ہوئی ہے جو قبر انور تک پہنچ چکی ہے سلطان اور اہل مدینہ یہ ہوش ربا منظر دیکھ کر ایک دم سناٹے میں ہو گئے اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی سلطان نے غصہ میں سرخ انگارہ بن کر تڑپتے ہوئے پوچھا کہ تم دونوں سچ سچ بول دو کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ کچھ دیر تو وہ دونوں خاموش رہے مگر جب ان دونوں پر کوڑوں کی مار پڑنے لگی تو دونوں کہنے لگے کہ اے سلطان ہم دونوں نصرانی ہیں ہم کو روم کے نصرانیوں نے مغربی حجاج کے ساتھ بے شمار مال و دولت دے کر اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے کہ ہم قبر انور کھود کر پیغمبر اسلام کے جسم انور کو نکال کر لے جائیں چنانچہ ساری رات ہم نقب کھودتے ہیں اور مٹی ایک تھیلے میں جمع کر کے روزانہ صبح کو جنت البقیع کے قبرستان میں پھینک دیتے ہیں یہ نقب بالکل قبر شریف تک پہنچ چکا ہے اور کل ہی رات ہم جسم نکالنے والے تھے مگر ناگہاں رات میں شدید بارش اور برق و باد کا طوفان آجانے سے ہم یہ کام نہ کر سکے اور آج صبح کو اچانک سلطان تشریف لے آئے اور ہم گرفتار ہو گئے سلطان نور الدین ان ناپاک ظالموں اور خوفناک مجرموں کا لرزہ خیز اور دل ہلا دینے والا بیان سن کر لرزہ براندام ہو گیا اور جوش غضب میں روضۂ انور کی دیوار پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا پھر غیظ و غضب میں بے خود ہو کر اپنی تلوار سے ان دونوں ملعونوں کا سر اڑا دیا اور ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا۔

سلطان اپنی خوش نصیبی پر ناز کر کے خداوند کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے لگا اور کہنے لگا کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے کہ تمام جہان والوں میں سے اس خدمت کے لئے مجھ کمترین غلام کو منتخب فرمایا اور تین مرتبہ خواب میں مجھے اپنے دیدار پر انور سے مشرف فرما کر مجھے اس خدمت کے لئے مامور فرمایا سلطان بار بار یہی کہتے تھے ان کی اشک بار آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات گوہر آبدار بن کر ان کے ٹپکتے ہوئے

(باقی صفحہ ۵ پر)

سلطان عادل

اس خواب کی تعبیر

یہ ہے کہ مدینہ منورہ

میں کوئی بڑا حادثہ

ظہور پذیر ہونے والا ہے

حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

عابد نظامی

پاک و ہند میں اسلام صوفیائے کرام کی مساعیٔ جمیلہ سے پھیلا۔ اس خطے میں اِن مردانِ خدا کا وجودِ مسعود اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا (اور بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی ہے) برصغیر میں مسلمان سلاطین نے کم و بیش ایک ہزار برس تک حکومت کی، اس دوران میں ہندوؤں نے اسلامی کلچر کو نقصان پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر صوفیائے کرام کی مسلسل تبلیغی کوششوں کے سامنے وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ پروفیسر ایچ اے آر گب نے کتنا صحیح لکھا ہے:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اُس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

(اسلامک کلچر مطبوعہ لندن)

صوفیہ کرام کا ہاتھ ہمیشہ ملت کی نبض پر اور دماغ تہذیب و احیاء کی تدابیر سوچنے میں مصروف رہا۔ مادیت کے سیلاب کو روکنے اور ذہنی انتشار کو ختم کرنے کا جو عظیم الشان کام اس جماعت نے سرانجام دیا وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ بلند شان بزرگوں نے جب کبھی قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا دیکھا تو اپنی تمام تر ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو اجاگر کرنے میں صرف کر دیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کو جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں تبلیغ و ہدایت کے منصب پر مامور فرمایا تو اس وقت حالات نہایت ہی ناسازگار تھے، سلطان التمش کی وفات ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے علماء موقع سے فائدہ اُٹھا کر میدانِ سیاست میں کُود پڑے تھے لیکن حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے سیاسی بکھیڑوں سے نچ کر دینِ حق کی خاطر جو شاندار خدمات سرانجام دیں، وہ آج بھی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔

حضرت بابا صاحب دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے سجادے پر بیٹھے تھے، لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ دارالسلطنت کا ماحول دین کی تبلیغ و ترویج پر اثر انداز ہونے لگا تو وہ دہلی چھوڑ کر ہانسی تشریف لے گئے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ کے پیر و مُرشد نے یہی مقام آپ کو دیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "میرے پیر نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے وہ کسی خاص مقام سے وابستہ نہیں ہے۔" (سیرالاولیاء صفحہ ۷۲)

حضرت بابا صاحب پہلے ہانسی اور بعد میں اجودھن تشریف لے گئے۔ اجودھن پاک پتن کا پرانا نام ہے۔ یہاں بابا صاحب نے اپنی تربیتِ خاص کے سانچے میں ڈھال کر جو لوگ تیار کئے ان میں شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین اسحاق، شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، شیخ علی احمد صابر کلیری اور شیخ عارف جیسے مردانِ حق شامل ہیں جو بابا صاحب کے مکتبِ صحبت سے فارغ ہونے کے بعد ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور ہر طرف خدا کے دین کا بول بالا کر دیا۔

> **صوفیائے کرام کا ہاتھ ہمیشہ**
>
> **ملت کی نبض پر رہا ہے**

بابا صاحبؒ کا شجرۂ نسب

تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت بابا صاحب صحیح النسب فاروقی ہیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح مل جاتا ہے:

(۱) حضرت شیخ جمال الدین سلیمان (والد) (۲) شیخ شعیب (۳) شیخ احمد (۴) شیخ یوسف (۵) شیخ محمد (۶) شیخ شہاب الدین (۷) شیخ احمد (معروف بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل) (۸) شیخ نصیرالدین (۹) محمود شاہ (۱۰) سامان شاہ (۱۱) شیخ سلیمان (۱۲) شیخ مسعود (۱۳) شیخ عبداللہ واعظ الاکبر (۱۴) شیخ ابوالفتح (۱۵) شیخ اسحاق (۱۶) حضرت خواجہ ابراہیم شاہ بلخ (۱۷) خواجہ ادھم (۱۸) شیخ سلیمان (۱۹) شیخ ناصر (۲۰) حضرت عبداللہ (۲۱) امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

والدین کریمین

بابا صاحب کے دادا حضرت شیخ شعیب کو اللہ تعالیٰ نے تین فرزند عنایت فرمائے (۱) خواجہ جمال الدین سلیمان (۲) خواجہ احمد (۳) خواجہ سعد حاجی۔

خواجہ جمال الدین سلیمان حضرت بابا صاحب کے والد تھے جو نہایت عالم و فاضل اور دیندار بزرگ

تھے۔ جن دنوں خواجہ شعیب کھتوال میں سکونت پذیر تھے، انہی دنوں نواحِ کابل سے ایک خاندان ہجرت کر کے قصبہ کوٹھے کروڑ (نواحِ ملتان) میں اقامت گزیں ہوا۔ اس خاندان کے سربراہ مولانا وجیہ الدین خجندی تھے، جو متبحر عالم اور نہایت متقی بزرگ تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ملتا تھا۔ ان کی ایک صاحبزادی قرسم خاتون تھیں۔ خواجہ شعیب نے مولانا وجیہ الدین خجندی سے اپنے فرزند خواجہ سلیمان کے لئے بی بی قرسم خاتون کے رشتے کی درخواست کی۔ مولانا خجندی فوراً رضامند ہو گئے۔ اس طرح خواجہ سلیمان اور بی بی قرسم خاتون کا عقد عمل میں آیا۔

خواجہ سلیمان کی طرح حضرت بی بی قرسم خاتون بھی نہایت عبادت گزار اور شب زندہ دار خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کثرتِ عبادت کی بدولت درجۂ ولایت پر فائز تھیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی فرماتے ہیں کہ ایک رات بی بی قرسم خاتون نمازِ تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔ جونہی بی بی صاحبہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ بینائی سے محروم ہو گیا۔ اس پر اُس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور کہنے لگا۔ جس نیک بخت کی دُعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی دوبارہ مجھے مل جائے تو میں عمر بھر چوری نہ کروں گا۔

بی بی صاحبہ کو اس کی فریاد اور گریہ وزاری پر ترس آگیا اور اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں اس کی بینائی کے لئے دُعا کی۔ چور کی بصارت عود کر آئی اس وقت بی بی صاحبہ کے قدموں میں گر کر معافی مانگی اور رخصت ہو گیا۔

اگلی صبح وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا اور اہل و عیال سمیت مشرف باسلام ہو گیا۔ حضرت بی بی صاحبہ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ عبداللہ قبولِ اسلام کے بعد کثرتِ مجاہدات و ریاضات کی بدولت درجۂ ولایت پر پہنچا اور اسے خاندانِ خواجہ شعیب کی طرف سے "چاولے مشائخ" کا لقب عطا ہوا۔ بعد میں قصبہ کھتوال اسی کے نام "چاولے مشائخ" سے مشہور ہو گیا۔

حضرت خواجہ شعیب اور خواجہ سلیمان کو اللہ تعالیٰ نے تین فرزند اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی جن کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت عزیز الدینؒ (۲) بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۳) حضرت نجیب الدین متوکل (۴) حضرت بی بی ہاجرہ ملقب بہ جمیلہ خاتون (والدہ ماجدہ حضرت مخدوم سید علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری)۔

ابتدائی تعلیم

حضرت بابا صاحب ابھی کم سن تھے کہ ان کے والد ماجد نے وفات پائی اور ان کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ان کی والدہ محترمہ کے سر آپڑی۔ وہ خود علم و فضل کے اعتبار سے بلند مقام رکھتی تھیں۔ انہوں نے نہایت توجہ سے اپنے لختِ جگر کی پرورش اور تربیت کی۔ بابا صاحب نے ابتدائی تعلیم کھتوال میں حاصل کی۔ نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ جو سبق ایک دفعہ پڑھ لیتے ہمیشہ کے لئے ذہن نشین ہو جاتا۔

> بابا فرید رحؒ نے
> سیاسی بکھیڑوں سے
> بچ کر دین کی جو شاندار
> خدمات انجام دیں وہ تاریخ
> میں سنہری حروف سے لکھی نظر آتی ہیں

بابا صاحب بچپن میں ہی نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ بدتمیز اور شرارتی بچوں کے ساتھ نہ کھیلتے۔ ان کی والدہ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ کم سنی میں ہی نماز کے سخت پابند ہو گئے تھے۔ سات سال کی عمر میں انہوں نے تمام ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں تو والدہ کو ان کی مزید تعلیم کی فکر ہوئی۔ کھتوال میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو آپ کو علوم متداولہ کی تکمیل کرا سکتا۔ ملتان ان دنوں علم و دانش کا مرکز تھا، وہاں بڑے بڑے نامور علماء موجود تھے۔ چنانچہ بابا صاحب کی والدہ نے انہیں مزید تعلیم کے لئے ملتان بھیج دیا۔

ملتان میں قیام

ملتان پہنچ کر آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہ مسجد ایک سرائے میں واقع تھی، جہاں اس دور کے ایک نامور عالم دین مولانا منہاج الدین ترمذی درس دیا کرتے تھے۔ بابا صاحب نے انہی سے علوم دینیہ کی تعلیم شروع کی اور دو تین سال کے اندر اندر تفسیر، حدیث، اصول، معانی، فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت کی کتابیں ختم کر لیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے قرآن مجید بھی اسی مسجد سے حفظ کیا (بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق قرآن حکیم بابا صاحب نے کھتوال ہی میں حفظ کر لیا تھا)۔

اسی مسجد میں ایک روز بابا صاحب فقہ کی مشہور کتاب نافع پڑھ رہے تھے کہ قطب عالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ وہاں تشریف لائے۔ انہوں نے بابا صاحب کو مصروفِ مطالعہ پا کر پوچھا: "میاں! کیا پڑھتے ہو؟" آپ نے جواب دیا: "نافع"۔ حضرت نے پھر سوال کیا: "کیا اس کے مطالعہ سے تمہیں کچھ نفع حاصل ہوگا؟"

اب جو بابا صاحب کی قطب عالم سے نظریں چار ہوئیں تو عجیب کیفیت ہوئی، فوراً قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا، حضرت نفع تو مجھے آپ کی نگاہِ کیمیا اثر سے حاصل ہوگا!

اب کیا تھا۔ بابا صاحب حضرت خواجہ قطب صاحب کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت قطب صاحب جتنے روز ملتان مقیم رہے بابا صاحب ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ جب قطب صاحب دہلی کے لئے روانہ ہونے لگے تو بابا صاحب بھی ان کے ساتھ چل دیے۔ ابھی چند میل ہی چلے ہوں گے کہ قطب صاحب نے ارشاد فرمایا:

"میرے عزیز! ابھی کچھ مدت اور علومِ ظاہری کی تحصیل میں صرف کرو۔ فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آ جانا۔ انشاءاللہ اپنی مراد کو پہنچو گے۔" بابا صاحب نے پیر و مرشد کے اس ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ملتان سے تکمیلِ علوم کے بعد انہوں نے مزید پانچ سال تعلیم کے لئے خطۂ قندھار، غزنی، بغداد، سیوستان اور بدخشان وغیرہ میں گزارے اور پھر دہلی آئے، جہاں حضرت قطب صاحب کے آستانے پر حاضری دی۔ قطب صاحب نے فرمایا: "خوب ہوا۔ تم اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے۔"

بعض تذکروں میں یہ بھی ہے کہ بابا صاحب نے دہلی آکر حضرت قطب صاحب کی بیعت کی۔ خود "فوائد السالکین" میں بابا صاحب نے اپنی بیعت کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"جب اس بندۂ حقیر خادمِ درویشاں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نعمتِ قدم بوسی حاصل ہوئی، تو آپ نے اُسی وقت کلاہِ چہار ترکی

میرے سر پر رکھی۔ اس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری"، مولانا علاؤ الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک"، شیخ نظام الدین المؤید، مولانا شمس الدین ترک"، شیخ محمود موئنہ دوز اور بہت سے دوسرے درویش موجود تھے۔ اسی موقع پر حضرت خواجہ بختیار کاکی" نے فرمایا: "اے فرید! مرشد میں اتنی قوتِ باطنی ضرور ہونی چاہیے کہ جو شخص اس سے بیعت کا طالب ہو اُس کے سینے کی آلائش کو اپنے تصرفِ روحانی سے ایک ہی نگاہ میں دُور کر دے۔ اور اس کے بعد اس سے بیعت لے کر واصل الی اللہ کرے۔ اگر مرشد میں اتنی قوت نہیں ہے تو پیر اور مرید دونوں بادیۂ ضلالت میں ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے تیاسا لکھا ہے کہ قطب صاحب نے ملتان میں بابا صاحب سے رسمی بیعت لی اور جب وہ تعلیم و سیاحت سے فارغ ہو کر دہلی آئے تو ان کے سر پر کلاہِ چہار ترکی رکھی اور باقاعدہ اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمایا۔

بابا صاحب نے دیکھا کہ دہلی میں مردماں کی وجہ سے یکسوئی میسر نہیں ہوتی تو مرشد کامل کی اجازت سے ہانسی چلے گئے، لیکن وہاں سے دہلی آتے جاتے رہے۔

ایک دفعہ آپ دہلی آئے تو خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ اُن کی توجہ سے فیضیاب ہوئے۔ "سیر العارفین" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری" بابا صاحب کے ذوق و شوق اور روحانی استعداد سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُنہوں نے اُن کے پیر و مرشد سے اپنے مُرید و خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فرمایا: "بابا بختیار! شہبازِ عظیم بقید آوردہ کہ جز بہ سدرۃ المنتہیٰ آشیاں نگیرد۔ ایں فرید شمعیست کہ خانوادہ درویشاں منور سازد۔" (سیر العارفین صفحہ ۲۳)

گنج شکر

گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے مختلف روایات لکھی ہیں۔ یہاں صرف تین روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ [illegible] میں مرقوم ہے کہ بابا صاحب کی والدہ ماجدہ بچپن میں نماز کی پابندی کرانے کے لئے ان کی جائے نماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور ان سے فرماتی تھیں کہ جو بچے نماز [illegible] ان کی جائے نماز کے نیچے سے روزانہ

خواجہ سلیمان کی طرح حضرت بی بی قرسم خاتون بھی نہایت عبادت گزار اور درجۂ ولایت پر فائز تھیں

اُن کو شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہُوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بُھول گئیں۔ کچھ دیر بعد انہیں یاد آیا تو گھبرا کر پُوچھا: "مسعُود! تم نے نماز پڑھی؟" بابا صاحب نے ادب سے جواب دیا: "ہاں امی جان! نماز پڑھ لی اور شکر بھی کھالی۔" یہ جواب سُن کر اُن کی والدہ بڑی حیران ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ اِس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت سے انہوں نے اپنے بچے مسعُود کو گنج شکر کہنا شروع کر دیا۔

"اخبار الاخیار"، "خزینۃ الاصفیا" اور "گلزارِ ابرار" میں لکھا ہے کہ ایک سوداگر گاڑی پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا۔ جب اجودھن پہنچا تو راستے میں حضرت شیخ کھڑے تھے۔ آپ نے اس سے پُوچھا: اس میں کیا لدا ہُوا ہے؟ سوداگر نے ٹالنے کے لئے کہا: نمک ہے بابا۔ اس پر آپ نے فرمایا: اچھا، نمک ہی ہوگا۔ سوداگر نے منزل پر پہنچ کر جب دیکھا تو بوروں میں شکر کے بجائے نمک تھا۔ بہت پریشان ہُوا اور پھر واپس اجودھن حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا اور معافی طلب کی۔ آپ نے فرمایا: جھُوٹ بولنا بُری بات ہے۔ آئندہ کبھی جھُوٹ نہ بولنا۔ پھر فرمایا: بوروں میں شکر تھی تو انشاء اللہ شکر ہی ہوگی۔

سوداگر نے جھُوٹ سے توبہ کی اور جا کر بوروں کو دیکھا تو ان میں شکر بھری ہوئی تھی۔ بیرم خاں خانخاناں نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

کانِ نمک، جہانِ شکر، شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

تیسری روایت اس طرح ہے کہ:

ایک دفعہ حضرت بابا صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت قطب صاحب کے ارشاد کے مطابق تین دن کا روزہ رکھا۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لایا۔ آپ نے غیبی امداد جان کر اُن سے روزہ افطار کر لیا۔ لیکن فوراً ہی متلی ہونے لگی اور جو کچھ کھایا تھا قے کے ذریعے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد پیر و مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا وہ روٹیاں ایک شرابی جواری نے بھجوائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تیرے معدے نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب تین روزے اور رکھو اور غیب سے جو میسر آئے اُس سے افطار کرو۔

بابا صاحب نے پھر تین دن کا روزہ رکھا لیکن تیسرے روز افطاری کے وقت کچھ میسر نہ آیا۔ رات کو بھُوک نے بہت ستایا تو بابا صاحب نے چند کنکریاں اُٹھا کر منہ میں رکھ لیں۔ اللہ کی قدرت کہ وہ کنکریاں مُنہ میں جاتے ہی شکر بن گئیں۔ بابا صاحب نے یہ واقعہ اپنے مرشد کریم کی خدمت میں بیان کیا تو انہوں نے فرمایا:

"سبحان اللہ۔ یہی غیب سے تھا۔ انشاء اللہ تو شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہے گا اور گنج شکر کہلائے گا۔"

جعفر قاسمی نے اس ضمن میں بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ حضرت بابا صاحب کو گنج شکر اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا مزاج بہت میٹھا تھا۔

مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بابا صاحب پیر و مرشد کی اجازت سے ہانسی تشریف لے آئے اور ہر وقت تبلیغ اسلام اور خدمتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو ہانسی میں پہنچے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب العالم" کا انتقال ہو گیا ہے۔ بیدار ہوتے ہی دہلی روانہ ہو گئے۔

دہلی میں معلوم ہُوا کہ پیر و مرشد نے وصال سے قبل اپنا خرقہ، عصا، نعلین، مصلیٰ اور دیگر تبرکات حضرت قاضی حمید الدین ناگوری" کے سپرد کئے اور وصیت کی کہ میرا جانشین فرید الدین مسعود ہوگا۔ اور یہ سب تبرکات اسی کو دے دئے جائیں۔

بابا صاحب نے پیر و مرشد کے مزارِ اقدس پر حاضری دی۔ بعد ازاں حضرت قطب صاحب کے سب خلفاء اور ارباب صحبت جو دہلی میں موجود تھے جمع ہوئے اور سب نے حضرت بابا صاحب کو قطب عالم کا جانشین تسلیم کیا۔ اسی مجلس میں تمام تبرکات بابا صاحب کے سپرد کر دئے گئے۔

دہلی میں بابا صاحب نے اپنے مرشد گرامی کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور صرف نماز جمعہ کے لئے حجرے سے

باہر تشریف لاتے۔ ایک جمعہ کو حجرہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش باہر کھڑا ہے۔ اس نے باباصاحب کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا:

"شیخ العالم! ہانسی کے لوگ آپ کی جدائی میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ کرم فرمایئے اور ہانسی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایئے۔"

باباصاحب نمازِ جمعہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہانسی جانے کے لئے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ اس سے لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور انہوں نے آپ سے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ لیکن باباصاحب نے فرمایا:

"دہلی کی نسبت ہانسی کو میری زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔"

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور باباصاحب ہانسی تشریف لے گئے۔

ہانسی میں ایک مدت تک قیام فرما رہے۔ وہاں کے لوگوں نے باباصاحب کے وجودِ مسعود سے خوب خوب فیض اٹھایا۔ شیخ جمال الدین ہانسی عرصے سے وہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے۔ باباصاحب نے اپنی باطنی توجہ سے انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ اور جب ہجوم خلق حد درجہ بڑھا تو شیخ جمال الدین ہانسوی کو اپنی سندِ خلافت دے کر انہیں ہانسی میں ٹھہرنے کی ہدایت فرمائی اور خود اجودھن (پاک پتن) کی طرف چل دیئے۔ جہاں کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی مخلوق کا یہ علاقہ مدت سے بارانِ رحمت کا منتظر تھا۔

باباصاحب پاک پتن میں

ہانسی سے باباصاحب کھتوال پہنچے اور اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہنے لگے۔ لیکن خلقت کا یہ حال تھا کہ ہر طرف سے ٹوٹی پڑتی تھی۔ آپ طبعاً عزلت پسند تھے جب ہجوم خلق سے بیزار ہو گئے تو ایک روز والدہ صاحبہ سے اجازت لیکر کھتوال سے چل پڑے۔ چلتے پھرتے ایک غیر معروف قصبہ اجودھن میں پہنچے۔ اجودھن ان دنوں جنگلوں سے گھرا ہوا اور حشرات الارض کا دل پسند مسکن تھا۔ قصبے کے اطراف میں دور دور تک کفار اور مشرکین کی بستیاں تھیں۔

باباصاحب نے اپنے قیام کے لئے اسی جگہ کو پسند فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شب خواب میں آپ کے مرشد گرامی حضرت قطب العالم نے ارشاد فرمایا کہ فرید! اس قصبہ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لو اور مخلوقِ خدا کو راہِ حق کی طرف بلاؤ۔

غرض اجودھن سے باہر مغرب کی سمت کریر کے ایک درخت کے نیچے باباصاحب نے اپنا مصلیٰ بچھا دیا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مخالفت

باباصاحب کی شبانہ روز کوشش سے جب اجودھن کے در و دیوار قال اللہ و قال الرسولؐ سے گونجنے لگے اور ہر طرف مسلمانوں کی چہل پہل ہو گئی تو بعض کوتاہ اندیش محض حسد و بغض کی وجہ سے باباصاحب کی مخالفت کرنے لگے۔ ان مخالفوں میں سب سے پیش پیش اجودھن کی مسجد کا پیش امام اور قاضی تھا جس نے پہلے تو حکومت کے کارندوں کو باباصاحب کو ستانے پر اکسایا اور جب اس سے اس کا جی نہ بھرا تو باباصاحب کے ذوقِ سماع پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگا۔

ادھر باباصاحب کی وسیع القلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ مخالفوں کی حرکات کو مطلق خاطر میں نہ لاتے تھے اور اپنا دل میلا نہ کرتے تھے۔ باباصاحب کی اس شانِ بے اعتنائی سے قاضی کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے سماع کے جواز اور عدمِ جواز کے مسئلہ کی آڑ لے کر باباصاحب کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اس نے ملتان کے علماء سے آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے ایک خط میں علمائے ملتان سے استفتاء کیا کہ ایک شخص جو اہل علم میں سے ہے۔ قوالی سنتا ہے اور وجد کرتا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

> باباصاحب کی قطبِ عالم سے نظریں چار ہوئیں تو فوراً قدموں پہ سر رکھ دیا۔ عرض کیا حضرت نفع تو مجھے آپ کی نگاہِ کیمیا میں حاصل ہوگا۔

علمائے ملتان نے قاضی کو تحریر کیا کہ اس شخص کا نام لکھو۔ قاضی نے باباصاحب کا نام لکھ بھیجا۔ علمائے ملتان نے حضرت کے خلاف فتویٰ جاری کرنے سے صاف انکار کر دیا اور قاضی کو لکھا کہ تم نے ایک ایسے درویشِ خدا مست کا نام لکھا ہے جو تمام علومِ شریعت کا منتہی ہے۔ ہماری کیا مجال کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں۔

قاضی کا یہ حربہ ناکام ہوا تو اس نے ایک آوارہ گرد [illegible] قلندر کو باباصاحب کے قتل پر آمادہ کیا۔ یہ شخص کپڑوں میں چھپائے اپنی کمر میں ایک تیز چھرا چھپا کر آپ کے آستانے پر پہنچا۔ باباصاحب اس وقت عبادت میں مشغول تھے اور سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے پاس موجود تھے۔ باباصاحب نے حالتِ سجدہ ہی میں فرمایا:

"یہاں کوئی موجود ہے؟"

حضرت سلطان المشائخ نے جواب دیا:

"آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔"

باباصاحب نے فرمایا: "یہاں ایک قلندر کھڑا ہے جو کانوں میں سفید رنگ کے مندرے پہنے ہوئے ہے۔"

سلطان المشائخ نے اثبات میں جواب دیا تو باباصاحب نے فرمایا:

"اس شخص کی کمر کے ساتھ چھرا بندھا ہے اور یہ میرے قتل کے ارادے سے آیا ہے۔ اس سے کہہ دو کہ اپنی عاقبت خراب نہ کرے اور یہاں سے چلا جائے"

اس سوال و جواب سے قلندر پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بھاگ اٹھا اور سیدھا قاضی کے پاس جا کر دم لیا اور اسے کہا:

"ایسے مردِ خدا کو قتل کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔"

اب قاضی نے ایک پٹواری کو اکسایا جس نے باباصاحب کے فرزندوں کو ناحق ستانا شروع کیا۔ جب اس کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو صاحبزادوں نے باباصاحب سے فریاد کی۔ باباصاحب جلال میں آ گئے اور اپنا عصا زور سے زمین پر پٹکا اور فرمایا:

"اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔"

اسی وقت ظالم پٹواری کے پیٹ میں درد اٹھا۔ ادھر باباصاحب کے فرزندوں پر اپنے

> سوداگر نے ٹالنے کے لئے کہا، نمک ہے بابا۔ آپ نے فرمایا اچھا نمک ہی ہوگا۔
> منزل پر پہنچ کر اس نے دیکھا بوروں میں شکر کے بجائے نمک تھا۔

زیادتیاں یاد آئیں۔ اس نے لوگوں سے کہا، مجھے باباصاحب کی خدمت میں لے چلو۔ لوگ اسے چارپائی پر ڈال کر باباصاحب کی خدمت میں لے جا رہے تھے کہ راستے ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلاف قاضی کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا اور رفتہ رفتہ آپ کے تمام دشمن اور حاسد خائب وخاسر ہو کر بیٹھ گئے۔

مُریدوں کی تربیت

: ایک روز مولانا جمال الدین ہانسوی جنگل سے ڈیلے اور مولانا بدرالدین اسحاق لکڑیاں لائے۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے اُن کو اُبالنے کے لئے ہنڈیا پر چڑھادیا۔ اتفاق سے اس روز لنگر خانے میں نمک موجود نہ تھا۔ سلطان المشائخ بازار جاکر بقال سے نمک قرض لائے اور ڈیلوں میں ڈالا جس وقت دسترخوان بچھایا گیا اور سب فقراء جمع ہوگئے تو دُعا پڑھنے کے بعد حضرت باباصاحب نے لقمہ اُٹھایا مگر فوراً ہی واپس رکھ دیا اور فرمایا، لقمہ گراں ہے کوئی شبہ والی بات معلوم ہوتی ہے۔

یہ سُن کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کھڑے ہوگئے اور عرض کیا، حضور! لکڑیاں تو حضرت مولانا سید بدرالدین اسحاق لائے ہیں اور ڈیلے مولانا جمال الدین لائے ہیں، پانی مولانا حسام الدین نے بھرا ہے اور ان کو جوش میں نے دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لقمہ کس سبب سے گراں ہے؟

حضرت باباصاحب نے ایک لمحہ تامل کے بعد فرمایا، نمک کہاں سے آیا؟" اتنا سُننا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء حیران رہ گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، حضور کی ذات گرامی کاشف حالات ہے۔ یہ خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ یہ ڈیلے کڑوے کسیلے ہوتے ہیں، اگر ان میں نمک بھی نہ ہو تو پھر یہ کیسے کھائے جائیں گے۔ محض اس خیال سے میں نے اس میں نمک قرض لے کر ڈال دیا ہے۔ حضرت نے یہ سُن کر فرمایا، اچھا اب اس کھانے کو دوسرے فقراء میں تقسیم کردو۔ پھر فرمایا، نظام الدین! درویشاں اگر بفاقہ بمیرند برائے لذت نفس قرض نگیرند۔"

حضرت سلطان المشائخ نے اُسی وقت دل میں عہد کیا کہ آئندہ تمام عُمر قرض نہیں لوں گا۔

باباصاحب نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا، انشاءاللہ آئندہ تم کو قرض لینے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔

تنگ دستی کا علاج

: حضرت باباصاحب کے پاس جب بھی کوئی شخص دینی یا دُنیاوی مُشکل لے کر آتا تو وہ اسے کتاب وسُنّت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے۔ عام طور پر صبر کی تلقین فرماتے اور نماز پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ ایک روز ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی کہ یاحضرت! میں بے حد تنگ دست ہوں۔ گھر میں عام طور پر فاقوں کی نوبت آجاتی ہے۔ آپ نے اس کے لئے دُعا فرمائی اور پھر اسے ہدایت کی کہ ہر روز رات کو سونے سے پہلے سورۂ جمعہ پڑھ لیا کرو۔

بلبن کے نام خط

: ایک بار پاکپتن میں کوئی ضرورت مند باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، حضور! بادشاہ کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیجئے تاکہ میرا کام بن جائے۔ آپ نے اس سے فرمایا، کام کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، میں تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اُس نے خط لکھنے کے لئے اصرار کیا تو حضرت باباصاحب نے سُلطان بلبن کے نام یہ خط لکھ کر دے دیا:

رفعت قصته الی الله ثم الیك فان تعطه شیأ فالمعطی هو الله وانت المشکور وان لم تعطه شیأ فالمانع هو الله وانت المعذور۔

یعنی میں نے اس شخص کی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا، پھر تیرے پاس بھیج دیا۔ اگر تو اس کو کچھ دے گا تو دین اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور یہ تیرا شکرگزار ہوگا۔ اور اگر کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہوگی اور اور تو معذور سمجھا جائے گا۔

غوث بہاءالحق ؒ سے تعلق

: حضرت شیخ الاسلام بہاءالحق زکریا ملتانی اور حضرت باباصاحب کے درمیان بہت محبت تھی۔ باباصاحب جب بھی انہیں خط تحریر فرماتے یا مجلس میں ان کا ذکر فرماتے تو شیخ الاسلام بہاءالحق زکریا فرماتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا آپ جب بھی حضرت کا نام لیتے ہیں تو شیخ الاسلام ضرور کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے لوحِ محفوظ پر ان کے نامِ نامی کیساتھ شیخ الاسلام لکھا ہُوا دیکھا ہے۔ (سیرالاولیاء ص۸۲)

ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام بہاءالحق زکریا ملتانی نے باباصاحب کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میرے تمہارے درمیان عشق بازی ہے۔ باباصاحب نے جواب میں لکھا کہ میرے اور آپ کے درمیان عشق تو ہے مگر بازی نہیں ہے۔

(سیرالعارفین ص۴۵)

بزرگوں کی روش

: حضرت شیخ بدرالدین غزنوی آپ کے پیر بھائی تھے۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لئے ایک خانقاہ بنوادی تھی۔ جہاں اُن کے آرام وآسائش کا سارا سامان بہم پہنچایا تھا۔ ایک دفعہ ملک نظام الدین زرِکثیر کے غبن میں ماخوذ ہُوا۔ جس سے شیخ بدرالدین کے آرام میں بھی خلل پڑنا شروع ہُوا۔ ان حالات میں انہوں نے باباصاحب کی خدمت میں درد بھرا خط لکھا اور سارے حالات بیان کئے اور دُعا کی درخواست کی۔

فریدالدین وملت یار زیرک
کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع داری
بمدحش کردمے گوہر فشانی

باباصاحب نے یہ خط پڑھا تو جواب میں تحریر فرمایا،

"عزیز الوجود کا رقعہ ملا اور جو کچھ اس میں درج تھا، اس سے آگاہی ہوئی۔ جو کوئی اپنے بزرگوں کی روش پر چلے گا، ضرور ہے کہ اُسے اس طرح کا ماجرا پیش آئے اور وہ غم والم سے دوچار ہو۔ آخر ہمارے پیرانِ عظام میں سے کون تھا، جس نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی اور اس میں جلوس

فرمایا۔

(سیر العارفین صفحہ ۵۱)

ذوقِ سماع

ایک روز حضرت باباصاحب کو سماع کا ذوق ہُوا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی قوّال موجود نہ تھا۔ آپ نے حضرت مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا کہ وہ خط جو قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے بھیجا ہے، لاؤ اور سناؤ۔ مولانا کھڑے ہوئے اور خط پڑھنا شروع کیا۔ اس میں حمد و نعت کے بعد تحریر تھا:

فقیر، حقیر، نحیف، ضعیف، بندۂ درویشاں در دیدہ خاکپائے ایشاں محمد عطا المعروف حمیدالدین ناگوری۔

اتنا سننا تھا کہ باباصاحب پر کیفیت طاری ہو گئی۔ اور جب مولانا نے خط کی یہ رباعی پڑھی تو باباصاحب پر وجد طاری ہو گیا:

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد
آں رُوح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ گرفتی ز جمال
آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

اسی طرح ایک روز آپ کو ذوقِ سماع ہُوا اور آپ کی زبان پر مولانا نظامی کا یہ شعر آیا ؎

نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسے رمزش نمے داند زباں در کش زباں درکش

اس شعر کو آپ تمام دن پڑھتے رہے، پھر رات کو بھی یہی حال رہا اور دُوسرے دن بھی۔

ایک روز سماع کی حُرمت و حلّت پر گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا: سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دُوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں۔

ایک بار فرمایا: سماع انہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں اُن کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار شخص اُن کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو۔

(راحۃ القلوب صفحہ ۱۲)

وصال

ذوالحجہ ۶۶۳ھ کے آخری دنوں میں بیماری نے شدت اختیار کر لی اور آپ کو بیہوشی کے دورے ہونے لگے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی کوئی نماز حتیٰ کہ نفلی عبادت تک قضا نہ ہوئی۔ اور وظائف و اوراد بھی وقت پر ادا ہوتے رہے۔ محرم ۶۶۴ھ کی چار تاریخ کو دہلی سے آپ کے خلیفہ قدیم سیّد محمد کرمان پرسشِ احوال کے لیے پاکپتن آئے۔ حضرت باباصاحب اس وقت حجرہ میں تھے اور دروازہ بند تھا۔ باہر صاحبزادگان اور چند مریدان آپ کی جانشینی کے متعلق سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جیسے ہی ان حضرات نے سیّد محمد کرمان کو دیکھا تو کہا، اس وقت اندر نہ جانا حضرت کی طبیعت ناساز ہے۔ سیّد صاحب باہر بیٹھے سوچ رہے کہ میں دہلی سے چل کر آیا ہوں، اگر یہ لوگ مجھے حضور کی قدمبوسی کر لینے دیں تو کیا حرج ہے۔ آخر اُن سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ حجرے میں داخل ہو گئے اور باباصاحب کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: "سیّد! کیا حال ہے؟" عرض کیا: "حضور کی دُعا سے اچھا ہوں۔ ابھی حاضر ہُوا ہوں۔" اس کے بعد سیّد صاحب نے دہلی کے علما و مشائخ کے سلام عرض کیے۔ آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا سلام عرض کیا۔ جیسے ہی آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا نام سُنا تو خوش ہو کر پوچھا: اُن کا کیا حال ہے؟ عرض کیا: وہ ہر وقت حضور کی یاد میں رہتے ہیں۔ یہ سُن کر باباصاحب اور خوش ہوئے اور مولانا بدرالدین اسحاق سے فرمایا کہ جو تبرکات مجھے سلسلہ بہ سلسلہ اپنے حضرت سے پہنچے ہیں وہ نظام الدین بدایونی کا حق ہے، ان کو پہنچا دینا۔

فریدؒ اس قصبہ میں
مستقل اقامت اختیار
کرو اور مخلوقِ خدا کو
راہِ حق
کی طرف بلاؤ۔

بعد نماز مغرب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ عشاء کی نماز آپ نے جماعت سے ادا کی، پھر بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے سوال کیا، میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کی گئی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ پھر پڑھ لوں۔ دوبارہ نمازِ عشاء ادا کی تو پھر بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد پھر یہی سوال کیا۔ کہا گیا: آپ دو مرتبہ عشاء کی نماز پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا: ایک دفعہ اور پڑھ لوں، ممکن ہے پھر موقع نہ ملے۔ یہ فرما کر آپ نے عشاء کی نماز مع وتر ادا کی اور پھر تازہ وضو کیا۔ اس کے بعد سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں ایک مرتبہ زور سے یاحیُّ یاقیّوم کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

وفات سے چند منٹ پہلے پوچھا: نظام الدین دہلی سے آئے یا نہیں؟ کہا گیا: جی نہیں۔ فرمایا: میں بھی اپنے شیخ کے انتقال کے وقت اُن کے پاس موجود نہ تھا، ہانسی میں تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو اطلاع ملی تو وہ پاکپتن آئے۔ حضرت باباصاحب کا مزار شریف تعمیر کرایا اور اس اہتمام سے کہ ہر اینٹ پر ایک قرآن شریف ختم کیا۔

معمولات

باباصاحب کا معمول تھا کہ وہ آنے والوں کی سہولت کے لیے اپنی خانقاہ آدھی رات تک کھلی رکھتے تھے۔ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بھی عبادت اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے۔ طہارت و صفائی اُن کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ ہر روز غسل فرماتے۔

صبح عبادت کے بعد دو گھنٹے تک طویل سجدہ کرتے اور اس دوران میں کبھی چُپ چاپ دُعا مانگتے اور کبھی اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا میں اشعار پڑھتے۔ کبھی تمام مخلوق کے لیے رحمت و بخشش کی دُعائیں مانگتے اور بے حد گریہ و زاری کرتے ——— اس کے بعد دوپہر تک آنے والوں سے ملاقات کرتے۔ پھر مختصر سے قیلولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور اس کے بعد خانقاہ کے مکینوں کی ضروریات پُوری کرنے پر توجہ دیتے۔ ہر ایک سے اُس کی خیریت دریافت فرماتے اور کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو فوراً دور کرنے کی کوشش کرتے۔ ہر آنے والا اُن تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

مقامِ رضا

زہد و ریاضت میں باباصاحب کی مثال نہ تھی۔ عمر کے آخری ایام میں اکثر فرمایا کرتے

(باقی صفحہ ...)

علامہ نورانی کی یہ ملاقات اس لئے تھی کہ وزیر اعظم کو اس کی کوتاہیوں اور خرابیوں پر مطلع کیا جائے، اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں آتا ہے



عورت کی حکمرانی

امرچاہم یہاں بندہ اس پر بحث کرتا ہے کہ جمعیت علماء پاکستان میں جو اختلاف پیدا ہوا اور جمعیت دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے تو کتاب و سنت کس دھڑے کی تائید و حمایت اور کس دھڑے کی مخالفت اور مذمت کرتا ہے آیت قرآنی ملاحظہ ہو

ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو دھڑوں میں اختلاف اور لڑائی جھگڑا پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متحارب گروہوں میں صلح صفائی کرائیں اب اگر صلح ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو وہ باغی ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دوسرے فریق کے ساتھ مل کر باغی کے خلاف اس وقت تک برسرِپیکار رہیں کہ وہ فرقہ باغیہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے یعنی مصالحت پر آمادہ ہو جائے" یہاں تک بندہ نے آیت شریفہ کا نفس مضمون بیان کیا ہے اب قرآن پاک کا اعجاز ملاحظہ فرمادیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ مذکورہ بالا کا نزول جمعیت علماء پاکستان کے اختلاف کے متعلق ہوا ہے اور آیت کریمہ بالکل اسی اختلاف پر منطبق ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی۔ (ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم (الآیۃ) تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ منہم نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آیتہ مذکورہ بالا تلاوت کی تو ہمیں یوں معلوم ہوا

مولانا عطا محمد بندیالوی

کہ یہ آیت اب نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح آیت مذکورۃ الصدر (وان طائفتان من المومنين اقتتلوا۔ (الآیۃ) جمعیت کے اختلاف کے متعلق نازل معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ نورانی صدیقی جمعیت کی عاملہ اور شوریٰ اور خادمین کے متفقہ بلا مقابلہ منتخب صدر اور امام تھے اور ایک دوسرے گروہ نے ان کے خلاف بغاوت کی جب مسلمانوں نے مصالحت کی کوشش کی تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کبھی مصالحت سے انکار نہیں کیا بلکہ بارہا اعلان کیا کہ ہمارے دروازے بالکل کھلے ہیں ہم باغیوں کو گلے لگانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ وہ واپس آکر اپنے عہدوں پر کام کریں لیکن دوسرے مخالف گروہ کا اعلان تھا کہ ہمارے اور نورانی صاحب کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے ہیں۔ اور مصالحت کا کوئی احتمال نہیں اس اعلان پر اہل سنت غور کریں کہ اسلام اور کفر کے راستے جدا جدا ہیں تو گویا فریق مخالف کے نزدیک ایک دھڑا مومن اور دوسرا کافر ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ لکم دینکم ولی دینی غور فرماویں یہ مخالفت اور بغاوت کی حد ہے۔ کوئی ذی عقل باضمیر مسلمان علامہ شاہ احمد نورانی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بغاوت کی ہے کیونکہ بغاوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ سابق امام حق کی مخالفت کی جائے تو ظاہر ہے کہ علامہ نورانی اہل سنت کے سابق امام آرہے تھے۔ اور دوسرے فریق نے ان کی صرف مخالفت ہی نہ کی بلکہ ان

کو غیر اسلامی اور غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول کرنے کا دعویٰ کیا اب بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ ۹ مارچ کو لاہور میں جو علامہ نورانی کے خلاف اجلاس ہوا اخباری اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں پانچ سو یا پانچ ہزار علماء و مشائخ شریک ہوئے اگر ان کو فرمان خداوندی کا ذرا احساس ہوتا تو وہ ہر دو فریق کے درمیان مصالحت کی کوشش کرتے تو اگر علامہ نورانی کا مخالف فریق مصالحت پر آمادہ نہ ہوتا تو یہ علماء و مشائخ علامہ نورانی کے ساتھ شریک ہو کر باغی گروہ کے خلاف اس وقت تک برسر پیکار رہتے کہ باغی گروہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے مصالحت پر آمادہ ہو جاتا لیکن ان علماء و مشائخ کو علامہ نورانی سے خدا واسطے کا ایسا عناد تھا کہ انہوں نے فرمان خداوندی کو نظر انداز کر کے باغیوں کی حمایت اور تائید کی بندہ ان علماء و مشائخ سے مؤدبانہ گزارش کرتا ہے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب و کتاب دینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان علماء و مشائخ سے سوال کیا کہ بغض نورانی کی وجہ سے تم نے میرے فرمان کو کیوں نظر انداز کیا تو ان علماء و مشائخ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ اب اسی مضمون پر حدیث شریف ملاحظہ ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ یہ علماء و مشائخ بغاوت سے انحراف کر کے حق کی طرف رجوع کریں تو ان اکابرین کا روز قیامت یہ جواب ہوگا کہ اگرچہ ہم سے غلطی سرزد ہوئی کہ باغیوں کی تائید کی لیکن جب ہم کو حکم خداوندی یاد دلایا گیا تو ہم نے بغاوت سے رجوع کر کے حق کا اتباع کیا تو امید قوی ہے کہ ان کا یہ عذر دربارِ خداوندی میں مقبول ہوگا کیونکہ (التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ) اب اس موضوع پر چند احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ملاحظہ ہوں۔

حدیث اوّل :- خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر میں کوئی ایسی شئے دیکھتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس پر صبر کرے

انہوں نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا، اب اگر وہ اسی بغاوت پر مر گئے تو انکی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی۔

اور بغاوت نہ کرے کیونکہ جو آدمی بھی خواہ کوئی بڑا عالم یا بڑا شیخ کیوں نہ ہو اگر ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہو کر مر جائے تو وہ جاہلیت اور ضلالت کی موت مرا اب اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی جمعیت علماء پاکستان کے اختلاف پر پوری منطبق ہوتی ہے گویا کہ اسی اختلاف کے لیے فرمائی گئی ہے علامہ نورانی کے مخالف دھڑے اور اس کے حامی علماء و مشائخ اگر علامہ نورانی کو اچھا نہیں جانتے تھے تو بحکم حدیث شریف علامہ نورانی کی صدارت کو برداشت کرتے اور اسی مئی میں جمعیت کے مرکزی انتخابات ہونے والے ہیں تو یہ لوگ خادمین جمعیت کے ساتھ رابطہ پیدا کرتے اور مرکزی قیادت کو تبدیل کر دیتے بلکہ اگر بغاوت نہ کرتے تو ان لوگوں کا پسندیدہ امیدوار بلا مقابلہ جمعیت کا صدر منتخب کیا جا سکتا تھا لیکن انہوں نے عجلت کر کے بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو اب اگر وہ اسی بغاوت پر مر گئے تو ان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی تو اب ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت کو اسلامی موت بنانے کے لیے بغاوت سے انحراف کر کے حق کے راستہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔

حدیث دوم :- خلاصہ مفہوم حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب شر اور فسادات پیدا ہوں گے اب جو آدمی اس امت کے اتفاق میں رخنہ ڈالے گا اس کی گردن تلوار سے اڑا دو خواہ وہ رخنہ ڈالنے والا بہت بڑا علامہ اور بہت بڑا شیخ کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث شریف بھی جمعیت کے اختلاف پر پوری طرح منطبق ہے۔ پاکستان کے اہلسنت علامہ نورانی کی قیادت پر مجتمع اور متفق تھے فریق مخالف نے مع نام نہاد علماء و مشائخ کے اس اتفاق کو پارہ پارہ کیا لہٰذا یہ سب باغی اور گردن زدنی ہیں۔

امر پنجم :- زمانہ ماضی میں جب صدارت کے انتخاب پر محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ اور ایئر مارشل ایوب خان مرحوم کے درمیان مقابلہ ہوا تھا تو اس وقت حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی قدس سرہ نے محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف ایک فتویٰ تحریر کیا تھا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی یہ فتویٰ بندہ کے نزدیک بالکل حق تھا۔ لیکن اس وقت کے علماء و مشائخ جو کہ شیخ الاسلام کے تبحر علمی سے ناواقف اور بذاتہ علوم دینیہ سے جاہل ہیں حضرت شیخ الاسلام کے فتویٰ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ فتویٰ موجودہ وزیراعظم جو کہ عورت ہے کے بھی خلاف ہے بندہ کے نزدیک یہ استدلال باطل ہے شیخ الاسلام کا فتویٰ عورت وزیراعظم کے خلاف نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ الاسلام پر کھلا بہتان ہے کیونکہ بندہ قبل ازیں دلائل سے ثابت کر چکا ہے کہ یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہو سکتی بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس کی تین تعریفیں گزر چکی ہیں اور یہ تینوں تعریفیں صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیراعظم پر صادق نہیں آتیں تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتی اور وزیراعظم ہو سکتی ہے چونکہ محترمہ فاطمہ جناح صدارت کی امیدوار تھیں لہٰذا شیخ الاسلام کا فتویٰ حق اور فاطمہ جناح کے خلاف ہے لیکن اس فتویٰ سے وزیراعظم کے خلاف استدلال کرنا حماقت ہے۔ اور ان علماء و مشائخ مستدلین پر یہ آیۃ مبارکہ صادق آتی ہے فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ (الآیۃ) اب بندہ اس امر پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہو سکتی ہے۔

دلیل اوّل :- جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی کی سربراہی میں لڑی گئی اور اس

بغاوت کا مفہوم یہ ہے کہ امام حق کی مخالفت کی جائے۔ علامہ نورانی اہلسنت کے امام آرہے تھے۔ اور دوسرے فریق نے انکی صرف مخالفت ہی نہیں کی بلکہ ان کو غیر اسلامی اور غیر آئینی طور پر معزول کیا۔

جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رض سربراہ لشکر تھیں اور ہزاروں نوجیوں نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کردیں ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض صحابہ عشرہ مبشرہ تھے اب اگر حضرت شیخ الاسلام کے فتویٰ کا یہ مطلب لیا جائے کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہوسکتی تو پھر حضرت شیخ الاسلام کا فتویٰ ام المومنین رض کے بھی خلاف ہوگا تو کیا ان خلوف نے حضرت شیخ الاسلام کی توہین نہیں کی اور نادان دوستوں کا کردار ادا نہیں کیا؟ لیکن اگر شیخ الاسلام کا فتویٰ صرف صدر مملکت پر محمول کیا جائے تو اب یہ فتویٰ حضرت ام المومنین رض کی سربراہی کے خلاف نہیں ہے۔

دلیل دوم:۔ فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہوسکتی ہے اور قاضی بھی ان لوگوں کے لیے جن کا وہ قاضی ہے۔ سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

امر ششم:۔ مخالفین علامہ نورانی پر چند احمقانہ سوال کرتے ہیں۔

سوال اوّل:۔ عورت کی سربراہی کی حمایت کا یہ سوال بالکل غلط ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے کبھی عورت کی سربراہی کی حمایت نہیں کی انہوں نے بارہا اعلان کیا ہے کہ عورت کی سربراہی خلاف شرع اور غیر شرعی ہے لہٰذا یہ اعتراض بہتان محض ہے۔

سوال دوم:۔ عورت کے اقتدار کو طول دینے پر مشتمل بیانات:۔ یہ سوال بھی مثل اوّل لغو ہے علامہ نورانی نے کوئی بیان ایسا نہیں دیا۔ دراصل علامہ نورانی صاحب نے یہ کہا ہے کہ عورت کی سربراہی غیر شرعی اور ناجائز ہے لیکن عوام نے ووٹ کے ذریعہ عورت کو ہم پر مسلط کر دیا ہے اب اس عورت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ عورت خود بخود اس عہدہ سے مستعفی ہو جائے اور وہ اس پر تیار نہیں ہے دوم یہ کہ اس کو پانچ سال کے لیے برداشت کر لیا جائے جیسا کہ اس کے باپ کو برداشت کیا گیا ہے سوم یہ کہ اس کے خلاف بدامنی اور سول نافرمانی شروع کی جائے ملک اس وقت بدامنی کا متحمل نہیں ہے دشمنان پاکستان تاک میں ہیں کہ ملک بدامنی کا شکار ہو اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوں۔ لہٰذا علامہ نورانی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس عورت کو اپنی مدت پوری کرنے دیا جائے۔ اور یہ ایک معقول تجویز ہے بندہ مخالفین سے دریافت کرتا ہے کہ علامہ نورانی اور تم دونوں عورت کی حکمرانی کو غیر شرعی اور ناجائز خیال کرتے ہو یہ وجہ تو عورت کی حکمرانی کو طول دینے کی نہیں ہوسکتی۔ علامہ نورانی یہ فرماتے ہیں کہ یہ "بلا" ہمارے گلے میں پڑ گئی ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی مدت تک برداشت کرو اگر اس کو اقتدار کا طول کہا جاتا ہے تو بندہ مخالفین سے پوچھتا ہے کہ اس "بلا" سے چھٹکارا حاصل کرنے کا تمہارے نزدیک کیا طریقہ ہے اگر پانچ سال تک برداشت کرنا ہے تو پھر علامہ نورانی اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا جو اعتراض تم علامہ نورانی پر کرتے ہو وہی تم پر عائد ہوگا۔ اور اگر چھٹکارا کا طریقہ بدامنی اور سول نافرمانی ہے تو یہ طریقہ تم نے ابھی تک اختیار

> اگر اللہ تعالیٰ نے ان علماء و مشائخ
> سے سوال کیا کہ تم نے بغض
> نورانی میں میرے فرمان
> کو کیوں نظر انداز کیا تو
> ان کے پاس کیا جواب ہوگا؟

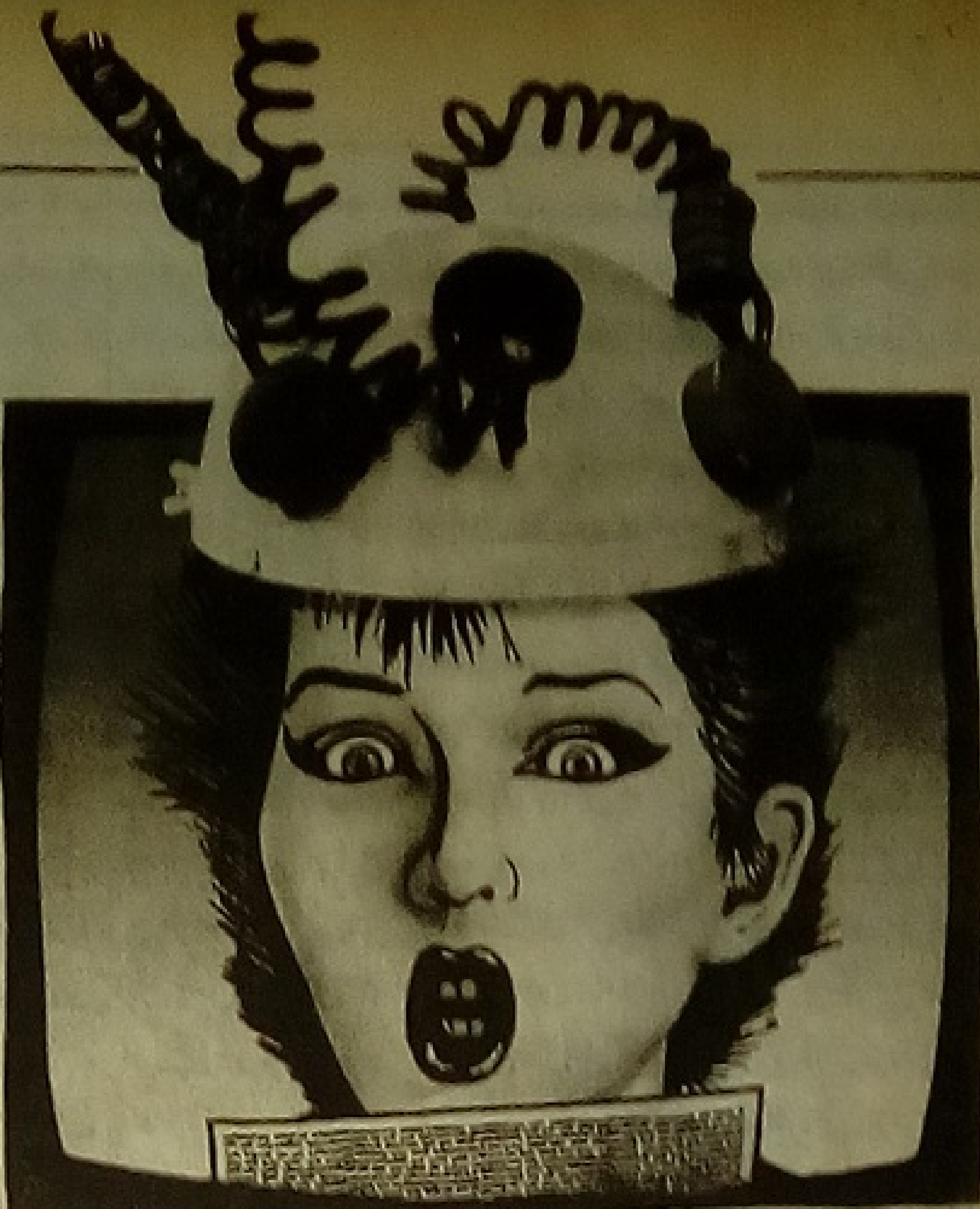
نہیں کیا تو اب تم عورت کی حکمرانی کو طول دے رہے ہو۔ تم دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہو قصور اپنا نکل آیا۔

سوال سوم:۔ علامہ نورانی کے دورِ صدارت میں جمعیت علماء پاکستان میں افتراق اور انتشار پیدا ہوا ہے اس سوال میں بھی کوئی معقولیت نہیں ہے علامہ نورانی نے اصولوں پر کبھی سودا بازی نہیں کی۔ جن لوگوں نے جمعیت کے اصولوں کو پامال کیا ہے اور ذاتی مفادات اور پلاٹ حاصل کرنے کے لیے حکومت کی چاپلوسی کی اور حکومت کو خوش کرنے کے لیے فتوے تحریر کیے علامہ شاہ احمد نورانی کا ملّی فرض تھا کہ ایسے خود غرضوں سے جواب طلبی کرتے اور ان کو اس جرم کی سزا دیتے اس کو افتراق اور انتشار کہنا سراسر زیادتی ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی کی قیادت پر اہل سنت کا اتفاق تھا علامہ نورانی عاملہ شوریٰ اور خادمین کے صرف منتخب صدر ہی نہ تھے بلکہ متفقہ صدر تھے علامہ نورانی کے حاسدوں نے بغاوت کی اور جمعیت علماء پاکستان بلکہ اہلسنت کے اتفاق کو پارہ پارہ کیا اور آیتہ کریمہ اور حدیث شریف مذکورہ بالا کا مصداق بنے اور بغاوت کی یہ حد کر دی کہ علامہ نورانی کو غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول کر کے خود غیر آئینی صدر بن بیٹھے۔ لاہور کے جس اجلاس میں یہ غیر آئینی حرکت کی گئی اس میں عاملہ اور شوریٰ کے زیادہ سے زیادہ ۹ یا ۱۰ اراکین تھے اور اس کے بعد راولپنڈی میں علامہ نورانی کی نگرانی میں جو اجلاس ہوا اس میں عاملہ اور شوریٰ کے تقریباً ۹۴ اراکین شامل تھے جنہوں نے علامہ نورانی کی قیادت پر مکمل اعتماد کیا اور پھر اس کے بعد ملتان شریف میں جو خادمین کا کنونشن ہوا اس میں دس ہزار سے زیادہ خادمین نے شرکت کی اور بڑے والہانہ اور جذباتی طور پر علامہ شاہ احمد نورانی پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ایسی حالت میں علامہ نورانی کو معزول کرنا تمام قواعد کی مٹی پلید کرنا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی صوبہ کا وزیر اعلیٰ اپنے صوبائی اراکین کا اجلاس طلب کر کے صدر پاکستان کو معزول کر دے اور پھر صوبائی وزیر اعلیٰ کو صوبائی اراکین صدر پاکستان منتخب کر لیں۔ علامہ نورانی کی معزولی کچھ اس قسم کی ہے لہٰذا انتشار اور افتراق کے مجرم یہ مخالفین اور حاسدین ہیں نہ کہ علامہ شاہ احمد نورانی۔

سوال چہارم:۔ ایک عورت کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات۔ یہ بات درست ہے کہ علامہ نورانی نے وزیراعظم کے ساتھ ملاقات کی ہے اور اس میں مولانا نورانی منفرد نہیں ہیں سینکڑوں مرد اپنی ضروریات کے لیے وزیراعظم سے ملاقات کرتے ہیں اور یہ معمول ہے اور پھر یہ ملاقات علیحدگی میں نہیں تھی بلکہ وزیراعظم کے مشیر اور وزیر اور علامہ نورانی کے کئی احباب بھی اس ملاقات میں موجود تھے جیسا کہ اخبارات اس پر شاہد ہیں لہٰذا اس ملاقات کو افسوس ناک کہنا بذاتہٖ افسوسناک ہے نیز علامہ نورانی کی یہ اجتماعی ملاقات اس لیے تھی کہ وزیراعظم کو اس کی کوتاہیوں اور خرابیوں پر مطلع کیا جائے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن

(باقی ۵۰ پر)

ٹی وی کو مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی برسی یاد نہیں رہی



تابندہ لاری

ٹیلی ویژن کی پہلی سہ ماہی بھی گذر گئی، نئی سہ ماہی شروع ہو گئی لیکن تاحال کوئی بھی ڈھنگ کا پروگرام شروع نہیں ہو سکا، سابقہ سہ ماہی میں بھی پرانے پروگراموں سے ہی کام چلایا گیا ایسا لگتا ہے کہ جیسے ٹیلی ویژن پر کام کرنے والے نہیں رہے کوئی نیا آئیڈیا سامنے آیا ہے نہ ہی کوئی نیا اچھا پروگرام ہے بس "نشر مکرر" سے کام چلایا جا رہا ہے حالانکہ لائسنس فیس تو ناظرین ہر سال ادا کرتے ہیں اس کے بعد ان کی تفریح طبع کا خیال نہ رکھنا ان کے ساتھ زیادتی ہی تصور کی جائے گی۔ لیکن ٹی وی کے ناظرین کے ساتھ یہ کوئی پہلی زیادتی تو نہیں ناظرین کے ساتھ تو ٹیلی ویژن والوں کا یہ رویہ بہت پرانا ہے اس لئے شکوہ کرنا لاحاصل ہی ہے۔

گزشتہ دنوں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی برسی آئی لیکن ٹیلی ویژن والوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک محترم شخصیت کی برسی کس خاموشی سے گذر گئی پھر شاید کوئی خواب غفلت سے جاگا اور اس نے ناہید حسن زیدی کے ذمہ مادرِ ملت کی یاد میں پروگرام تیار کرنے لگا دیا۔ انہوں نے بڑی محنت سے پروگرام تیار بھی کیا اب پیش ہوا کہ اسے کب ٹیلی کاسٹ کیا جائے برسی تو گذر گئی، سوائے بچوں کے کارٹون پروگرام کی جگہ ٹیلی کاسٹ کر دیا گیا، گویا مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی ٹیلیویژن والوں کی نظر میں یہ اہمیت ہے کہ ان کی یاد میں بننے والے پروگرام کو مناسب وقت بھی نہ مل سکا اصل میں اس میں بھی ایک حکمت ہے اس پروگرام کو ایسے وقت ٹیلی کاسٹ کرنے کا ایک راز ہے، دراصل برسی ۹ جولائی کو تھی، لیکن دن انہیں یاد نہ رہا، ایسے وقت پروگرام دکھانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ناظرین اسے نہ دیکھیں اسلئے کہ لوگ اگر دیکھ لیتے تو پھر کہتے کہ برسی تو نو جولائی کو تھی ٹیلی ویژن والوں کو ہوش گیارہ جولائی کو آیا اب آپ کہیں گے کہ پھر ٹیلی ویژن والوں نے پروگرام کیوں دکھایا؟ وہ اس لئے کہ اب جو لوگ اعتراض کریں گے کہ محترمہ کی برسی پر کوئی خصوصی پروگرام نہیں تیار کیا گیا، تو یہ بڑے فخر سے سر اٹھا کر کہیں گے کہ دکھایا تو تھا یعنی دونوں طرف سے اپنی بچت کا سامان کر رکھا تھا، بھلا ایسی ذہانت ٹی وی والوں کے علاوہ کس کے پاس ہو سکتی ہے۔

عید قرباں پر ٹیلی ویژن والوں نے کوشش کی تھی کہ ناظرین کو مطمئن کر سکیں، لیکن ناظرین کے دل تو ویسے ہی پژمردہ ہیں، اس لئے کچھ خاص کامیابی نہ ہو سکی عید کے موقع پر پی ٹی وی نے اردو فیچر فلم دکھانے کا بھی اہتمام کیا جس کا دکھانا نہ دکھانا سب برابر ہی رہا اس لئے کہ تہوار کے موقع پر تو یوں بھی سب مصروف ہوتے ہیں اور عید قرباں تو خواتین کے لئے بھی بڑا امتحان ہوتی ہے کہ باورچی خانہ ان کی جان کے ساتھ ہوتا ہے، ایسے میں بھلا فلم دیکھنے کا کسے ہوش، ہم پہلے بھی کہتے رہے ہیں کہ فلم دکھانا درست مگر اس کے لئے وقت کا مناسب انتخاب بھی ضروری ہے۔



ٹیلیویژن کو معلوم نہ ہو سکا کہ محترم شخصیت کی برسی کس خاموشی سے گزر گئی

ٹیلیویژن کو ۱۱ جولائی کو ہوش آیا تا کہ لوگ اعتراض کریں تو وہ کہہ سکیں کہ پروگرام دکھایا تو تھا

جمیل کی کہانی حقیقت کے قریب نظر آتی ہے

یوں بھی اردو فلموں پر زوال آیا ہوا ہے مارکیٹ میں ریلیز ہونے والی فلموں میں اردو فلموں کی تعداد میں کمی ہوتی جارہی ہے عید کے موقع پر پانچ فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں سے صرف ایک "آسمان" اردو میں ہے، یہ صورت حال فلم انڈسٹری کے لئے خاصی تشویشناک ہے بین الاقوامی مارکیٹ میں بھارت اردو فلموں میں اپنی اجارہ داری قائم کرتا جارہا ہے اس طرح وہ اپنا بھرپور پروپیگنڈہ بھی پوری دنیا میں پھیلا رہا ہے، وہاں کی فلموں میں اب بھی اسٹوری موجود ہوتی ہے زندگی کے بہت سے تلخ حقائق کا تجزیہ ہوتا ہے جبکہ ہمارے ہاں بھارتی فلموں کی تقلید صرف اس حد تک ہورہی ہے کہ ہماری ہیروئنیں لباس کے معاملے میں بھارتی فلموں کی اداکاراؤں کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتی ہیں، جو ایک تشویشناک امر ہے ہمارے ہاں فلموں کے نام رکھنے کی طرف بھی مناسب توجہ نہیں دی جارہی ہے ایک فلم اگر کسی نام سے ہٹ ہوجاتی ہے تو پھر اسی نام کے آگے پیچھے کوئی لفظ بڑھا کر فلموں کے نام رکھے جانے لگتے ہیں یا پھر ہندوستانی فلموں کے نام پر ہی فلمیں بنادی جاتی ہیں جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے، ناموں کا ایسا کال تو کبھی نہیں پڑا تھا پتہ نہیں فلمساز اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔

ٹیلی ویژن سے آج کل ایک بیس سال پرانی سیریل "جمیل" کے نام سے دکھائی جارہی ہے یہ سیریل پہلے منو بھائی نے "جزیرہ" کے نام سے پنجابی زبان میں تحریر کیا تھا۔ اس کی تیرہ اقساط ٹیلی کاسٹ ہوئی تھیں اس وقت بھی یہ سیریل بہت مقبول ہوئی تھی اور تین بار ٹیلی کاسٹ ہوئی اردو میں اس خوبصورت کہانی کو بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ جمیل کی کہانی ایک محلے کے چند سادہ سے گھرانوں کی کہانی ہے، زندگی کے حقائق سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے اسکی کہانی حقیقت سے قریب تر نظر آتی ہے بیس سال پہلے کے اسکرپٹ میں اور آج کے اسکرپٹ لکھنے والوں کا واضح فرق سامنے نظر آتا ہے خود منو بھائی کی ہی تحریر میں یہ فرق نمایاں ہے۔

اسلام آباد سینٹر کی سیریل "تان سین" جس کا معاملہ ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اب ٹیلی کاسٹ ہونے والا ہے، یہ سیریل اسلام آباد سینٹر کے پروگرام مہمان خصوصی کے خاتمے کے بعد ٹیلی کاسٹ ہوگی "تان سین" کی کہانی میں ہندو کردار ہے اب معلوم نہیں کہ اس سیریل میں ہندو طرز معاشرت اور اسلامی طرز معاشرت کا ملاپ کیونکر دکھایا جاسکے گا ہمیں یقین ہے کہ اس سیریل کے آن ائر جانے کے بعد اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلے گا۔ بہر حال لوگوں کو اس سیریل کا انتظار محض زیبا بختیار کی وجہ سے ہے۔

اداکارہ و گلوکارہ سلمیٰ آغا آجکل کلاسیکی موسیقی کی طرف راغب ہیں لیکن یہ شوق کلاسیکل موسیقی کے سیکھنے کا نہیں ہے، بلکہ سنا ہے وہ کسی کلاسیکل گلوکار کو اپنا اسیر بنارہی ہیں دیکھیں سلمیٰ آغا کا یہ ایڈونچر کتنا کامیاب رہتا ہے۔

نعیم بخاری کے بارے میں بھی یہ اطلاع سننے کو ملی تھی کہ وہ امریکہ مستقل طور پر شفٹ ہورہے ہیں، طاہرہ سید کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی کے خاتمے کے بعد افواہوں کا ایک سلسلہ چل پڑا تھا جو بالآخر نعیم بخاری کو بیان دے کر روکنا پڑا۔ نقل مکانی کی یہ اطلاع بھی ہوسکتا ہے کہ محض افواہ ہو اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو ورنہ ٹیلی وژن کے ناظرین ایک اچھے فنکار سے محروم ہوجائینگے۔

پی ٹی وی کے نئے منیجنگ ڈائریکٹر اے آر صدیقی نے جی ایم کانفرنس میں سختی سے تاکید کی کہ خوبصورت چہروں کے کلوز اپ نہ دکھائے جائیں یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ پی ٹی وی کے ڈراموں میں سے فلمی انداز کو ختم کیا جائے گلیمر کو ٹی وی سے کم سے کم پروجیکٹ کیا جائے اور ہیروئنوں کے بے تکلفانہ انداز کی بھی ممانعت کی نئے ایم ڈی کی باتیں سن کر تو ہمیں حیرت ہورہی ہے اس لئے کہ یہ ساری ہدایات تو دور آمریت میں دی جاتی ہیں موجودہ دور میں ٹی وی پر اگر کچھ پروجیکٹ کیا جارہا ہے تو وہ صرف اور صرف گلیمر ہے اشتہارات کے ذریعے، موسیقی کے پروگراموں کے ذریعے، ڈراموں میں خاتون اداکاراؤں کے انداز اور ملبوسات پر سب گلیمر زدہ ہیں، موجودہ ایم ڈی کی یہ ہدایات قابل تعریف ہیں، مگر کیا ان ہدایات پر عملدرآمد کرانے کے بعد وہ زیادہ عرصہ تک اپنی کرسی پر قائم رہ سکیں گے، یہ ایک غور طلب سوال ہے؟ اس لئے کہ موجودہ دور جمہوری ہے اور جمہوریت میں بھلا پابندیاں کیا معنیٰ، مذہب، شریعت اور شرافت کا جسطرح ٹی وی کے ارباب اقتدار نے مذاق اڑایا ہے وہ سب کے سامنے ہے بہرحال ایم ڈی کے یہ اقدامات جرأت مندانہ اور قابل تعریف ہیں جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں ●●

بقیہ: خواجہ فرید

تھے، چالیس برس تک اللہ کے بندے مسعودؒ نے اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت کی۔ اب گزشتہ چند برسوں سے یہ حالت ہے کہ آقا کی ذرہ نوازی سے مسعود کے فکر و خیال میں جو کچھ آیا، وہ حقیقت ثابت ہوا اور مسعودؒ نے جو بھی آرزو کی، وہ پوری ہوئی۔

باباصاحب کے خلفاء

حضرت کے بیشمار خلفاء تھے جن کا مکمل رجسٹر حضرت جمال الدین ہانسوی کے پاس تھا بعض خلفاء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت خواجہ قطب شیخ جمال الدین ہانسوی ولادت ۵۸۳ھ خلافت بمقام ہانسی ۶۳۴ھ وصال ۶۵۹ھ

۲۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل ولادت ۵۷۱ھ وصال ۶۶۴ھ

۳۔ حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری ولادت بمقام ہرات ۶۱۴ھ خلافت و روانگی کلیر ۶۴۶ھ وصال ۶۶۹ھ

۴۔ حضرت شیخ بدرالدین اسحاق باباصاحب کی خدمت میں حاضری ۶۴۶ھ وصال ۶۹۳ھ مزار پاکپتن شریف

۵۔ حضرت نصیرالدین تمبنیؒ ولادت ۶۲۷ھ مزار موضع چولیانہ مضافات پرگنہ تبولہ

۶۔ حضرت بدرالدین سلیمانؒ (باباصاحب کے فرزند اکبر) ولادت ۶۳۵ھ۔ سجادگی ۶۶۱ھ۔ وصال ۶۶۵ھ۔

۷۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ۔

اقبال قادری

ملتان کی آئی جے آئی "گرگ آشتی" کا مظاہرہ کر رہی ہے

پنجاب کے حوالے سے پاکستان کی "دوغلی سیاست" کرنے والے سیاستدان ایک بار پھر ذہنی انتشار کا شکار ہیں بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ ان کے ذہنی خلجان اور بحرانی کیفیت میں اضافہ ہو رہا ہے آئی جے آئی سے تعلق رکھنے والے حلقے آج کل یہاں ملتان میں نہ صرف "منقار زیر پر" ہیں بلکہ باہم دست و گریباں نظر آتے ہیں، ادب میں ایک اصطلاح "گرگ آشتی" عام طور پر مستعمل ہے گرگ، بھیڑیا اور آشتی، دوستی کے معنوں میں آتے ہیں یہ ایک تلمیح ہے جس کے بارے میں مولانا محمد حسین آزاد اور پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ جاڑے کے موسم میں جب برفباری عام ہو جاتی ہے اور ایران کا موسم ہر قسم کی نقل و حمل اور شد و مد پر کڑی پابندیاں عائد کر دیتا ہے تو شہری زندگی کے ساتھ ساتھ جنگلی حیات بھی متاثر ہوتی ہے بڑے بڑے گھنے جنگلوں میں برف باری کی وجہ سے شکاری جانوروں کی نایابی گوشت خور درندوں کو بہت تنگ کرتی ہے اور وہ بھوک کے ہاتھوں عاجز ہو جاتے ہیں بھیڑیے چونکہ ایرانی درندوں میں بہت زیادہ ہوتے ہیں اسلئے سب سے تباہ کن اثرات بھی ان کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں وہ "قحط سالی اور فاقہ کشی" کی وجہ سے انتہائی طور پر تنگ ہوتے ہیں تب وہ اپنے ہی ٹھکانوں پر اپنے خاندان کے بھیڑیوں کے ساتھ مل جل کر ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں، ہر بھیڑیا کوشش کرتا ہے کہ چاق و چوبند اور چست و مستعد رہے کیونکہ اس غول میں بیٹھے جس بھیڑیئے پر نیند کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور وہ معمولی اونگھ سے لطف اندوز ہوتا ہے تو سب کے سب بھیڑیئے مل کر اس پر لوٹ پڑتے ہیں اسے موت کے گھاٹ اتار کر اپنی خوئے خون آشامی کی تسکین کرتے ہیں اور فاقوں کے مارے ہوئے بھیڑیئے اپنے ہی بھائی کی تکا بوٹی سے لذت کام و دہن کی آزمائش کرتے ہیں جونہی وہ اس بھیڑیئے کا گوشت چکھنے سے فارغ ہوتے ہیں تو ایک بار پھر اسی دائرے میں

> پانچ پیارے میئر کے اشارے
> پر ناچتے ہیں
> اور میئر ان پانچ
> پیادوں کے
> سہارے چلتے ہیں

آکر بیٹھ جاتے ہیں اور دانتوں میں خلال کرتے ہوئے ساتھ نئے شکار کے انتظار میں تاک لگا لیتے ہیں۔

اس واقعہ نے "گرگ آشتی" یعنی بھیڑیا دوستی کی ترکیب کو جنم دیا، کہنے والا جب کسی "جماعت انسانیہ" یعنی آدمیوں کے گروہ کے بارے میں یہ اصطلاح استعمال کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی پر کوئی اعتماد نہیں۔۔۔ یہ اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے کس حد تک بھی۔۔۔ جا سکتے ہیں کچھ اسی طرح کی صورت حال ملتان کی مسلم لیگیوں بالخصوص آئی جے آئی کی صفوں میں پائی جا رہی ہے، ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ یہ لوگ تو بھیڑیوں سے بھی گئی گذری سیاست کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیونکہ وہ بھیڑیئے تو اپنی سخت مجبوری کے عالم میں ایسا کرتے ہیں اور "تنور شکم" دم بدم تافتن کی بجائے جب پیٹ کی آگ بالکل ہی بجھتی دکھائی دیتی ہے تو وہ اس قسم کی حرکت کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ تو انسان ہونے کے باوجود عام حالات میں بھی ایک دوسرے کو نہیں بخشتے۔

ہمارے ملتان میونسپل کارپوریشن میں برسر اقتدار اور حزب اختلاف دونوں گروپوں کا تعلق آئی جے آئی سے ہے یہ دونوں تو پہلے بھی ایک جماعت میں رہتے ہوئے لڑائی اپنی اپنی لڑتے رہے تھے حزب اختلاف کے قائد سابق صوبائی وزیر میاں سعید احمد قریشی تو شروع ہی سے اپنے مسلم لیگی میئر ملک صلاح الدین ڈوگر پر ۔۔۔۔ بدعنوانیوں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے الزامات عائد کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے کارپوریشن کے معاملات میں دخیل کونسلروں کے لئے پانچ پیاروں کی گرتھی اصطلاح بھی استعمال کی اور کہا کہ یہ پانچ پیارے میئر کے اشارے پر ناچتے ہیں اور میئر اپنی پانچ پیاروں کے سہارے چلتے ہیں تمام بدعنوان عناصران کے پس خوردہ پر پلتے ہیں۔

ان باتوں کا جواب دوسری طرف سے بھی "ترکی بہ ترکی" آتا تھا اور یہ جھگڑا ہر سمجھدار اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے کارکن کی سمجھ میں بے شکل تر تھا لیکن اب تازہ ترین صورت حال یہ ہوئی ہے کہ میئر ملک صلاح الدین ڈوگر کے خلاف پانچ پیاروں میں سے ایک پیارے اور اس کے باپ نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے یہ ہیں اپنے طاہر رشید اور ان کے والد گرامی شیخ محمد رشید

جب ۸۵ء کے انتخابات ہوئے تو ملتان شہر سے ایک ہی گروپ کے دو ارکان قومی اسمبلی اور چار ارکان صوبائی اسمبلی کامیاب ہوئے ان میں سے ایک تو تھے شیخ محمد رشید ایم این اے اور دوسرے

سے بابو فیروز دین انصاری ایم این اے صوبائی اسمبلی کے ارکان میں میاں سعید احمد قریشی، حاجی محمد بوٹا، ملک صلاح الدین ڈوگر اور میاں مختار اے شیخ شامل تھے بعد میں میاں مختار اے شیخ کی اہلیہ محترمہ فرخ مختار نے خواتین کی مخصوص نشست جیت لی اور وہ بھی ایم پی اے بن گئیں اس طرح صوبائی اسمبلی میں اقلیت کی نشست پر ممبر ڈاکٹر کامیاب ہو گئے اس طرح یہ "آٹھ کا گروپ" بن گیا، جناب سعید احمد اور شیخ محمد رشید جہاں ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے وہاں ان کے مابین قریبی رشتہ داری بھی تھی البتہ یہ ہے کہ میاں مختار اے شیخ کی اہلیہ اور شیخ محمد رشید کی اہلیہ کے مابین بہت دوستی رہی ہے اور ان دونوں خواتین کی دوستی قریباً شفیقہ [illegible] سے اب بھی بتائی جاتی ہے، جنرل محمد ضیا الحق مرحوم کی زندگی میں ملتان کی یہ دونوں خواتین اکثر ان کی بیگم محترمہ آپا شفیقہ ——— سے ملنے جاتی تھیں اور غالباً یہ تعلق اب بھی قائم ہے۔

۱۹۸۵ء کے انتخابات کے بعد جب مرکز میں وزارت سازی کا مرحلہ آیا تو شیخ محمد رشید اور میاں مختار نے اپنی بیگمات کے ذریعے جنرل مرحوم کو متاثر کرنے اور شیخ محمد رشید کے لئے وزارت یا کم از کم منسٹری کی کرسی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے یہ ان چلے دنوں کی بات ہے جب شیخ محمد رشید کو میاں مختار اے شیخ اور ان کی بیگم فرخ مختار میں "قادیانیت یا لاہوریت" کے جراثیم دکھائی دینا بند ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں کے چشمے پر مرحوم وزیر پیداوار نے پاکستان اسٹیل ملز کی بنی ہوئی صاف و شفاف "پٹری" لگا دی تھی۔ اس پٹری کے وہ "سول ایجنٹ" تھے، ملتان کا علاقہ کپاس پیدا کرتا ہے اس علاقے کی بیسیوں ——— فیکٹریوں میں "پٹری" استعمال ہوتی تھی۔

چنانچہ دونوں بیگمات اور دونوں شوہروں کی مشترکہ کوششوں سے جو کچھ ہوا وہ "پٹری" کی ایجنسی کا الاٹمنٹ تھا ادھر میاں سعید احمد قریشی صوبائی کابینہ میں لے لیے گئے، وہ کچھ عرصہ تک اپنا کام خوش اسلوبی سے چلاتے رہے پھر دروغ برگردن راوی ایک شام کو میاں مختار کی لاہور والی کوٹھی میں شیخ رشید نے بابو فیروز دین انصاری اور حاجی بوٹا کے بچڑے اور منت کر کے کہا کہ "اس سعید کو کاٹ دو یہ بہت اونچا اڑ رہا ہے اس کے پر

عین وقت پر پتہ چلا کہ میاں مختار تو لاہوری مرزائی ہیں، نامعلوم قوتیں حرکت میں آئیں اور انکی وزارت دھری کی دھری رہ گئی

قینچی کرلو ورنہ یہ ہم سب کے لیے مصیبت بنے گا۔

ادھر بھی [illegible] اور حاجی بوٹا جی نے اپنے اس "شیخ الوقت" کی بات بہت فرمانبرداری کے ساتھ مانی اور وہ دن رات میاں نواز شریف کے سامنے دست بستہ رہنے لگے ان کا کہنا تھا کہ اگر میاں سعید قریشی وزارت سے نہیں ہٹتے تو ملتان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی —— اس طرح میاں نواز شریف صاحب نے ملتان کے اپنے ان دوستوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے اپنے ہی گروپ کے میاں سعید کو وزارت سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا، اتفاق کی بات ہے کہ ان دنوں مارشل لاء ہٹا اور وزیروں کو نئے سرے سے نئے آئین کے تحت یا ترمیم شدہ آئین کے تحت حلف اٹھانا ضروری ہو گیا تو میاں شریف نے میاں سعید قریشی کی بجائے میاں مختار اے شیخ کو وزارت میں لینے کی حامی بھر لی یہ وہی موقع تھا جب گرگ آشتی اپنے عروج پر تھی ادھر شیخ محمد رشید کو بھی پتہ چل گیا کہ ملتان سے میاں سعید کی بجائے اب کے میاں مختار کو وزیر لیا جا رہا ہے اور بیگم فرخ مختار نے بھی سفارش کرائی ہے، تو شیخ صاحب نے اپنے نقش قدم کو ہلکی سی جنبش بکریوں کی ہے اور یوں بھی "کر دیا" عین اسی وقت پتہ چلا کہ میاں مختار تو لاہوری مرزائی ہیں ان کی بیگم بھی ——— مرزائی ہے چنانچہ نامعلوم قوتیں حرکت میں آئیں اور میاں مختار کی وزارت دھری کی دھری رہ گئی، اسی موقع پر "پٹری" کی ایجنسی پر میاں مختار اور شیخ محمد رشید کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے اور قرآن ہاتھ میں لیکر دونوں میاں بیوی کے اسلام کی تصدیق کرنے والے شیخ رشید صاحب نے انہیں مرزائی کہہ کر سوشل بائیکاٹ کر دیا جو آج چار پانچ سال کے بعد بھی جاری ہے پھر ان دونوں کے مابین نہ صرف تلخ کلامی ہوئی بلکہ ہوائی اڈے اور وی آئی پی لاؤنج میں ایک دوسرے کو مغلظات سے بھی نوازتے رہے۔

اس طرح شیخ رشید جب اس [illegible] سے الگ ہو گئے تو بعد میں بابو فیروز دین انصاری نے اور حاجی بوٹا نے اپنی غلطی محسوس کی اور میاں نواز شریف کو اصل صورت حال سے بھی آگاہ کیا لیکن کوشش بسیار کے باوجود وہ اپنے گروپ کے کسی رکن اسمبلی کو وزارت دلانے میں کامیاب نہ ہوئے، ادھر شیخ رشید اور میاں سعید کے مابین بھی سخت کشیدگی شروع ہو گئی، رشتہ داریاں ختم ہو گئیں، برادری کے ایک با اثر گروپ نے شیخ رشید کے خلاف نعرہ بازی بھی کی کہ اس نے اپنے ہی وزیر کا برج الٹ دیا، لوگوں نے انہیں پولیس کا ہاتھی بھی کہا اس طرح عملی طور پر یہ گروپ تین ذیلی گروپوں میں تقسیم ہو گیا، ایک طرف میاں مختار اے شیخ اور ان کی اہلیہ تھیں، دوسری طرف شیخ رشید احمد اور ان کے منہ بولے سیاسی بیٹے ملک صلاح الدین ڈوگر اور تیسری طرف بابو فیروز دین انصاری، حاجی محمد بوٹا، میاں سعید احمد قریشی اور ممبر ڈاکٹر تھے بابو فیروز دین کی وساطت سے میاں مختار اگرچہ ان کے ساتھ چلے آئے، اسی گروپ میں شامل تھے لیکن وہ میاں سعید کی وزارت کے لئے کسی قسم کی کوشش کو جرم خیال کرتے تھے۔ بلکہ وہ گروپ سے کہتے تھے کہ اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈالو۔

ان حالات میں ۱۹۸۷ء کے بلدیاتی انتخابات ہوئے میاں مختار اے شیخ ایک عام کارکن کے ہاتھوں اپنے گھریلو حلقہ میں ہار گئے، شیخ محمد رشید نے اپنی جگہ اپنے ہونہار بیٹے طاہر رشید کو کامیاب کرایا، میاں سعید احمد قریشی جیت گئے، جبکہ حاجی بوٹا ہار گئے اور بابو فیروز دین انصاری نے اپنے بیٹے انیس احمد انصاری کے حق میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

اس طرح بڑے انتخاب کے وقت پہلے مرحلہ پر جب مخصوص نشستوں کا انتخاب ہوا تو وہ بیرونی امداد کے دباؤ پر شیخ رشید اور میاں سعید گروپ نے سمجھوتہ کر کے نشستیں جیت لیں اور میونسپل کارپوریشن میں ایک تیسری قوت کو اسکے سائز کے مطابق رکھا۔ یہ تیسری طاقت سابق میئر نوابزادہ غلام قاسم خاکوانی کی تھی جنہیں ۱۹۸۵ء کے انتخابات

میں بابو فیروز دین انصاری کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نوابزادہ غلام قاسم خاکوانی نے خود تو کارپوریشن کا انتخاب نہیں لڑا تھا لیکن بہت سی — وجوہ کی بنا پر وہ کارپوریشن میں "موثر" رہنا چاہتے تھے اس وقت میئر شپ کے دو امیدوار تھے، ملک صلاح الدین ڈوگر اور میاں سعید قریشی اگرچہ اوپر چل کر یہ دونوں مسلم لیگی ایک ہی ہو جاتے ہیں لیکن نیچے شاخوں میں بٹ کر اپنی اپنی الگ دوکان کھولے بیٹھے ہیں یہی حالت میئر کے انتخاب کے موقع پر تھی ملک صلاح الدین کے بزرگ شیخ محمد رشید نے آگے بڑھ کر خاکوانی صاحب سے بات چیت کی اور ان کے مفادات کے تحفظ کا یقین دلا کر ان کے گروپ کے ارکان کو ساتھ ملایا بلکہ دو تین کونسلر سعید قریشی کے بھی لے لئے اور مری کے ٹھنڈے علاقوں میں چلے گئے۔

اس طرح میاں سعید احمد قریشی نے میئر کے انتخاب میں ۲۹ ریا ۳۱ ر ووٹ حاصل کر کے شکست کھائی۔

ملک صلاح الدین ڈوگر میئر بنے اور ملک بشیر احمد اعوان کو خاکوانی صاحب نے اپنے کوٹے میں ڈپٹی میئر نامزد کیا

اگلے سال جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اسمبلیاں توڑ کر عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ۱۷ راگست کو انہیں اپنے پاس بلانے کا سامان کیا۔

۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں انکی تمامتر دشمنی کے باوجود آئی جے آئی کا یہ گروپ ملتان کی تمام نشستوں پر مشترکہ انتخاب لڑ رہا تھا، پتہ نہیں اس صورت حال کو منافقانہ کہا جا سکتا ہے یا صرف گرگ آشتی ہی کا مظاہرہ تھا کہ دونوں گروپ ایکدوسرے کے خلاف لڑتے رہے اور پیپلز پارٹی کے تمام امیدوار ماسوائے ملک صلاح الدین ڈوگر کے انہیں لتاڑتے ہوئے روندتے ہوئے فتح سے ہمکنار ہوئے۔

۱۹۸۸ء کے عام انتخابات نے اس گروہ کے اندر دبے ہوئے اختلافات کو مزید اجاگر کیا اور پھر یہی نہیں بلکہ شیخ رشید کے بچے کھچے گروپ میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور اب ملک صلاح الدین ڈوگر میئر ملتان میونسپل کارپوریشن ایک طرف ہیں اور شیخ محمد رشید کے جیالے فرزند دوسری طرف شیخ صاحب نے بھی اپنے تمام تیر آزمانے کا فیصلہ کر لیا ہے ان کا خیال ہے کہ اب یا تو اس شہر میں میئر صلاح الدین ڈوگر رہیں گے یا پھر وہ خود رہیں گے۔ ایک میان میں دو تلواریں جسطرح نہیں رہ سکتیں اسی طرح شیخ رشید اور ملک صلاح الدین بھی اکٹھے ایک شہر میں نہیں رہ سکتے حضرت سعدیؒ نے تو بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ دس درویش ایک کمبل میں گزارہ کر کے رات بسر کر سکتے ہیں لیکن ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے، جون کے آخری ہفتہ میں یہ لڑائی تیز تر ہوئی ادھر سے ایک کونسلر حاجی غلام حسین خضر اپنی ذاتی وجوہ کی بنا پر ملک صلاح الدین ڈوگر سے ناراض ہیں وہ کچھ روز پہلے تک ملک صاحب کے بہت پرجوش حامیوں میں سے تھے لیکن اب اچانک وہ بھی ان کے خلاف ہو گئے ہیں انہوں نے شیخ طاہر رشید کے ساتھ مل کر ایک

> **آجکل ملتان میں بھی مڈٹرم انتخابات کا پروپیگنڈہ زوروں پر ہے!**

مجاری بھرکم پریس کانفرنس کی اور میئر کے خلاف بدعنوانی کے زبردست الزامات عائد کئے، ان کا کہنا تھا . . سی بھی طرح بجٹ اجلاس ہونے نہیں دینگے کیونکہ ارکان کی اکثریت انکے ساتھ ہے، اگر اجلاس طلب کیا گیا تو بجٹ پاس نہیں ہو سکے گا، میر . . پاس تو اقلیت ہے بلکہ اب بھی نہیں رہی کیو . . لیت تو حزب اختلاف کی شکل میں میاں سعید کے ساتھ ہے لیکن پھر اچانک اجلاس کی تاریخ کا اعلان ہوا، اجلاس میں دونوں طرف سے جس شائستگی کا مظاہرہ کیا گیا وہ شاید ایسی گرگ آشتی سے مشابہ تھی کہ ملک ڈوگر کے خلاف ان کے گروپ کے صرف پانچ ارکان تھے بہرحال اب مخالف گروپوں نے لاہر ہائی کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے اور شیخ رشید نے شہر کے تاجروں کو اپنی مدد کے لئے بلایا ہے تاجروں نے ساڑھے تین کروڑ روپے نئے ٹیکسوں کے نفاذ کو بہانہ بنا کر تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے، تاجروں نے کبھی کسی محاذ پر کوئی لڑائی لڑی ہو انگریزوں کی برصغیر میں آمد کے علاوہ تاریخ شاید ہی کوئی مثال پیش کر سکے لمبنی بہادر چونکہ لٹیروں کی کمپنی تھی جو تاجروں کے معزز پیشے میں کاروباری لوگوں کا روپ دھار کر آئی تھی تو وہ جیت گئی، ڈاکو جیت گئے، کیونکہ انہیں جدید ترین اسلحے کے ساتھ ساتھ وطن کے غداروں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی تھی لیکن ملتان کے تاجر کیا کریں گے سنا ہے کہ شیخ صاحب کے بہی خواہ اکا دکا کونسلروں نے ملک صلاح الدین ڈوگر سے صلح صفائی کی بات چیت بھی شروع کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے چونکہ معاملات اب عدالت میں ہیں اس لئے کسی تبصرے یا تجزیئے کی گنجائش نہیں تاہم ملک صلاح الدین ڈوگر نے شیخ محمد رشید اور ان کے صاحبزادے کی جو خدمات انجام دی ہیں دلے درمے سخنے اقدمے ان کو دیکھ دیکھ کر وہ باربار یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ آئی جے آئی کے یہ حلقے ذہنی انتشار کا شکار ہیں تو جناب آج کل ہمارے یہاں ملتان میں ایک بار پھر مڈٹرم انتخابات کا پروپیگنڈہ زوروں پر ہے کچھ لوگ تو براہ راست مارشل لاء کی "نوید" سناتے ہوئے بھی نہیں شرماتے ان کا کہنا ہے کہ مارشل لاء تو کبھی کا لگ چکا ہوتا لیکن یہ آرمی والے ابھی تیار نہیں، پھر وہ بہت ہی حسرت و یاس کے عالم میں کہتے ہیں، "پتہ نہیں ان آرمی والوں کو کیا ہو گیا ہے اتنے اچھے مواقع ضائع کر رہے ہیں، ہمارے انتظار کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے"

ہم اس مایوس و مفلوج گروہ کے نفسیاتی مسائل جانتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ اب شاید مارشل لاء آئے اس لئے تو مڈٹرم کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن مڈٹرم سے بھی آئی جے آئی والے بھاگ گئے ہیں اور ۱۶ر نومبر ۱۹۸۸ء کی پوزیشنوں پر آنے کا اعلان کر چکے ہیں آئی جے آئی نے تمام محاذوں سے پسپائی اختیار کر لی ہے کراچی کارڈ، حیدرآباد کارڈ، عدم اعتماد کارڈ پولیس مقابلہ کارڈ، ایم کیو ایم سمجھوتہ کارڈ، سب کے سب کارڈ ختم ہو گئے ہیں اب تو صرف اسی تنخواہ پر گزارہ کرنے والا کارڈ باقی رہ گیا ہے

"کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
ہر شئے مسافر ہر چیز راہی"

اسمبلی ممبر سے خطاب

محمد جمیل اجمل (آزاد کشمیر)

تو آ ہنستے ہنستے تو جا ہنستے ہنستے
ہمیں اپنی صورت دکھا ہنستے ہنستے

یہ مفلس نظر آتے ہیں روتے روتے
تو اپنی ہی پھیرو چلا ہنستے ہنستے

تجھے اب کسی کا کوئی ڈر نہیں ہے
کہ رشوت سفارش چلا ہنستے ہنستے

ملا جو تجھے ہم غریبوں کی خاطر
وہ نظریں بچا کر چھپا ہنستے ہنستے

پیارے یہ قسمت بنانے کے دن ہیں
حکومت کا سب مال کھا ہنستے ہنستے

ہمارے لہو کی اینٹوں سے اے ہمدم!
یہ کوٹھی حسیں تر بنا ہنستے ہنستے

غریبوں سے تو نے کیے ہیں جو وعدے
وہ پل بھر میں تو بھول جا ہنستے ہنستے

سنا تھا کہ بے روزگاری بہت ہے
تو اس کو ترقی دلا ہنستے ہنستے

جو سڑکیں کبھی تو بناتا تھا پکی
وہی سڑکیں کچی بنا ہنستے ہنستے

"نہیں ہے میسر جنہیں علم، ان کو"
جہالت کا نقشہ دکھا ہنستے ہنستے

غنیمت جو تو ہم غریبوں سے اک دن
کبھی اپنی انگلی ملا ہنستے ہنستے

اگر ہو سکے تو کنارے میں رہ کر
سبھی ممبروں کو لڑا ہنستے ہنستے

تو کیسے لڑے گا وہ اگلا الیکشن
سو پہلے وہ خرچہ بنا ہنستے ہنستے

کئے پانچ سالوں میں تو نے بڑے کام
ہمیں یوں نہ احمق بنا ہنستے ہنستے

تمہاری جو ختم ہو گئی ہے یہ مدت
تو آ ہم سے نظریں ملا ہنستے ہنستے

عورت کیا ہے؟

(مرسلہ: فرزانہ نسیم گرین ٹاؤن کراچی)

٭ دنیا میں جو کچھ بھی خوبصورت ہے اسکے مجموعے کو میں عورت کہتا ہوں۔ ([illegible])

٭ ڈاکو یا تو آپ کا پیسہ مانگتا ہے یا زندگی۔ لیکن عورت دونوں ہی چیزیں چاہتی ہے۔ ([illegible])

٭ مرد عموماً چنچل عورتوں کو پسند کرتے ہیں تاکہ انکی حفاظت کر کے انکے [illegible] بن سکیں۔

٭ عورت مرد سے اسکے کردار کے باعث محبت کرتی ہے مگر مرد کو عورت کی شکل و صورت محبت پر مائل کرتی ہے۔

٭ عورت بے جا تعریف سے تو خوش ہو جاتی ہے مگر جائز تنقید کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔

٭ عورت میں اگر کشش نہ ہوتی تو مرد کے خیالات اور عادات جنگلی ہوتی۔

٭ ہر بلند مرتبہ کی روحانی عورت کے [illegible] اضافہ کرتے ہیں۔

بقیہ: آزادی ہند

[illegible] سے اندرا کی زندگی کے بارے میں ڈاکٹر شبہات ظاہر کر رہے تھے لہٰذا حکومت انہیں رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

[illegible] میں لارڈ ویول ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل نکالنے کیلئے صلاح و مشورہ کرنے کیلئے شملہ گئے۔ اس [illegible] ریڈیو سے اعلان ہوا کہ عارضی حکومت شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کی ایک مشترکہ کانفرنس بلائی جائے گی مجھے بھی [illegible] رہائی کی اطلاع ملی۔ اس کے دوسرے دن صبح مجھے رہا کر دیا گیا۔

جب میں رہا ہو کر [illegible] سٹیشن پر پہنچا تو سٹیشن انسانوں کے جم غفیر سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے [illegible] کار تک پہنچنے میں بہت [illegible] ہوئی۔ [illegible] کانگریس کی صدر مسز [illegible]

اور کانگریس دوسرے کے مقامی رہنما کار پر موجود تھے۔ وہ میری رہائی کی خوشی میں بینڈ باجا لانا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں بجانے سے منع کر دیا کیونکہ میرے ہزاروں کانگریسی ساتھی ابھی تک جیلوں میں تھے جب کار روانہ ہوئی تو میرا ذہن پچھلے تین سال کے واقعات میں کھو گیا۔ مجھے وہ دن یاد آ رہا تھا جب تین سال قبل میں کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے بمبئی جا رہا تھا تو میری شریک حیات مجھے دروازے تک رخصت کرنے آئی تھی۔ اب تین سال بعد جب میں گھر واپس جا رہا تھا تو وہ اس دنیا میں نہیں تھی بلکہ اپنی قبر میں آرام کر رہی تھی اور میرا گھر خالی تھا۔ مجھے ورڈز ورتھ کے یہ مصرعے یاد آ رہے تھے۔

مگر وہ اپنی قبر میں ہے، اور
اف! میرا اس سے فاصلہ
کتنا بڑھ گیا ہے!

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ کار کو موڑیں میں گھر جانے سے پیشتر اپنی اہلیہ کی قبر پر جانا چاہتا ہوں۔ میری کار پھولوں کے ہاروں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک ہار اٹھایا اور اس کی قبر پر پھیلا دیا اور خاموشی سے فاتحہ پڑھنا شروع کر دی۔

(جاری ہے)

بقیہ: عورت کی حکمرانی

المنکر کے قبیلہ سے ہے اور اس حدیث شریف پر عمل ہے جس کا معنی اس طرح ہے کہ افضل جہاد حکمران جابر کے سامنے کلمہ حق بیان کرنا ہے۔

سوال پنجم: علامہ نورانی نے بارہا صدارت چھوڑنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے لہٰذا ان کو مناسب ہے کہ کسی اور صاحب کی صدارت قبول کر لیں۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ علامہ نورانی کو جس صاحب کی صدارت قبول کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے وہ صاحب باغی اور غیر آئینی صدر ہیں اور انہوں نے امت مجتمعہ میں افتراق اور انتشار پیدا کیا ہے اگر علامہ نورانی اس صاحب کی غیر آئینی صدارت قبول کر لیں تو علامہ نورانی کا یہ فعل غیر آئینی ہو گا۔ لہٰذا علامہ نورانی کو غیر آئینی فعل کا مشورہ دینا یہ قابل مذمت ہے اس کے مقابلہ میں بندہ مخالفین کو ایک آئینی مشورہ پیش کرتا ہے وہ یہ کہ جمعیت میں اختلاف سے قبل دسمبر ۱۹۸۹ء میں ہر دو فریق کا لاہور میں مشترکہ اجلاس ہوا اور متفقہ طور پر طے ہوا کہ مئی ۱۹۹۰ء میں جمعیت علماء پاکستان کے ہر سطح پر نئے انتخاب ہوں گے اور مرکزی انتخاب بھی اس میں داخل ہے چونکہ باغی گروہ بھی اس سے متفق تھا لہٰذا اس کو چاہیئے کہ حتمی کے انتخاب میں آئینی طور پر حصہ لے اور جمعیت کے ووٹروں کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے اکثریت کو اپنا ہمنوا بنا کر اپنا صدارت کا امیدوار کھڑا کرے اور صدارت کا انتخاب جیت کر آئینی طور پر علامہ نورانی کو اس عہدہ سے علیحدہ کر کے جمعیت کا متفقہ صدر ہو جائے اگر فریق مخالف کا یہ خیال ہے کہ جمعیت کی اکثریت اس کے ساتھ ہے تو اس کو بندہ کا یہ مشورہ قبول کر لینا چاہیئے اور حکم خداوندی (فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ) کا مصداق بن جائے اور اگر فریق مخالف نے بندہ کا یہ مشورہ قبول نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ فریق مخالف کو جمعیت کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں ہے اور وہ چور دروازہ سے صدارت پر قابض ہونا چاہتا ہے یہاں تک بندہ نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو فریق مخالف کی طرف سے کیے گئے ہیں۔

(جاری ہے)

بقیہ: نورالدین زنگی

رخسار پر نثار ہو رہے تھے۔ اس خوشی میں سلطان نے بے شمار دولت لٹا کر غریبوں کو مالا مال اور مسکینوں کو نہال کر دیا پھر روضۃ الانور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور روضۃ الانور کے ارد گرد چاروں طرف نہایت گہری بنیاد کھدوا کر اور سیسہ پگھلا کر اس بنیاد میں بھروا دیا تاکہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سیسہ کی دیوار میں کوئی نقب نہ لگا سکے۔

اس حکایت سے مندرجہ ذیل حقیقتیں واضح ہوتی ہیں (۱) حضور انور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے جملہ حالات کو جانتے اور آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے ہیں۔

۲- ہر امتی کی نیکی اور برائی آپکے سامنے ہے جب ہی آپنے عرب کے سربراہوں کو چھوڑ کر حبشی غلام یعنی حضرت نورالدین زنگی علیہ الرحمت کو زیارت سے نوازا

۳- کبھی کبھی اسلام کے دشمن دین کے خیر خواہ بن کر اور دین کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی مضبوط دیواروں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو ایسے بہروپیوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

AHWAL Weekly Regd. NO: M-476. JULY 26 TO AUG 01 1990.

